# نو آبادیاتی دور میں صنعتکاری

## (۱۹۰۰ء اور ۱۹۴۶ء کے درمیان برطانوی ہند میں صنعتی ترقی)

کلیم صدیقی

مترجم: منور علی خان

### ابتدائیہ

اس مضمون کا مقصد ۱۹۰۰ سے لے کر ۱۹۴۶ء تک ہندوستان میں جدید صنعتوں کی ترقی کا تجزیہ کرنا ہے۔ اس حوالہ سے جدید صنعتوں سے مراد نجی ملکیت والی صنعتیں ہیں کیونکہ حکومت کی طرف سے صنعتی شعبہ میں سرمایہ کاری تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔

جہاں تک ترقیاتی منصوبہ بندی کی سیاسی اقتصادیات کا تعلق ہے' ہندوستان کی طرف اس کے استحقاق سے بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس موضوع پر تازہ ترین مواد کا بیشتر حصہ جنوبی مشرقی ایشیا' افریقہ اور لاطینی امریکہ تک محدود ہے۔ اس مواد کے بیشتر حصے کی ایک خامی یہ ہے کہ یہ صنعتی ترقی کی حقیقت' زرعی شعبے کی صورت حال' اندرونی منڈیوں اور ٹیکنالوجی کی ترقی وغیرہ کا جائزہ نہیں لیتا۔ اقتصادیات سے بحث کرنے والے کچھ مورخین نے نو آبادیاتی تسلط کے مفید اثرات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ اس بات پر مصر ہیں کہ ہندوستان نے خاص طور سے نو آبادیاتی تسلط سے فائدہ اٹھایا ہے جس کی وجہ سے ہندوستان میں جدید صنعتوں کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔[1]

معاشی امور کا جائزہ لینے والے آزاد خیال مورخین ہندوستان کو نو آبادیاتی نظام سے متاثر اور صنعتی اعتبار سے بڑھ چڑھ کر ترقی کرنے والی قوموں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ نظریہ جو نو آبادیاتی برطانوی حکومت کو ہندوستان میں جدید صنعتوں کی ترقی کا ذمہ دار قرار دیتا ہے' حقیقت کے منافی ہے۔ یہ درست ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز سے ہی ہندوستان میں صنعتی ترقی عمل میں آ گئی تھی لیکن اس کا موازنہ نہ تو یورپ کی کسی

آزاد قوم اور نہ ہی کینیڈا اور آسٹریلیا جیسی نو آبادکاروں کی کالونی کی صنعتی ترقی سے کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں صنعتی ترقی غیر متوازن تھی اور خصوصاً اشیائے صرف کی صنعت تک محدود تھی۔ بھاری صنعتوں پر سرمایہ بہت کم لگایا گیا تھا۔

مندرجہ بالا نظریئے کے خلاف میرا استدلال یہ ہے کہ ہندوستان نے نو آبادیاتی تسلط سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اقتصادی ترقی کے لئے جو توانائی اس میں پائی جاتی تھی اسے بھی ضائع کر دیا۔ ہندوستان پہلا ملک تھا جس نے یورپ کی صنعتکار قوموں سے ٹھوس تعلق قائم کیا جہاں بالخصوص ۱۷۱۲ کے مابعد دور میں جدید صنعتوں کی تعمیر بھی شروع کر دی گئی لیکن صنعتی ترقی کا یہ عمل کبھی پایہ تکمیل کو نہ پہونچ سکا اور نہ مکمل صنعتکاری کے نظام سے فائدہ اٹھایا گیا۔ جبکہ جاپان نے صنعتکاری کا آغاز بعد میں کیا اور ہندوستان کے مقابلے میں اس کے داخلی ذرائع بھی کم تھے لیکن اس نے صنعتی ترقی کے میدان میں ہندوستان سے کہیں زیادہ بڑھ کر ترقی کی۔

## نو آبادیاتی تسلط کے تباہ کن اثرات

عمومی طور سے نو آبادیاتی تسلط دیسی صنعتکاری کا مخالف ہوتا ہے لیکن ہندوستان میں نو آبادیاتی تسلط کے مختلف ادوار ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز سے داخلی اور خارجی اقتصادی اور سیاسی حالات میں تبدیلی آنے کے پیش نظر برطانوی حکمرانوں کے طرز عمل میں تبدیلی نظر آتی ہے۔ میں اس مضمون میں اس پہلو کا جائزہ بعد میں لوں گا۔

تاہم نو آبادیاتی تسلط کی اقتصادی تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے دور کا آغاز بنگال پر برطانیہ کے قبضے سے ہوا جو اٹھارویں صدی کے اختتام تک جاری رہا۔ اس دور میں غیر مساوی تجارت اور جبری لوٹ کھسوٹ نے ہندوستان کے مرکزی اور مشرقی زرخیز علاقوں کو طویل عرصے تک انحطاط سے دوچار رکھا۔ ہندوستان کو غیر مساوی تجارت قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور دستکاروں اور کاشتکاروں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے احکام کے مطابق صنعتی اور زرعی پیداوار فراہم کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس لوٹ کھسوٹ کی کوئی حد نہ تھی۔ دوسرے دور میں انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کے لئے برطانوی پالیسی میں تبدیلی آئی۔ انگلستان میں بورژوازی (متوسط طبقے) کے مفادات برطانوی پالیسی پر چھانے لگے۔ ان کے مفادات اس بات

کے متقاضی تھے کہ وہ ہندوستان کو اپنی مصنوعات کے لئے ایک تجارتی منڈی اور خام مال فراہم کرنے والے علاقہ کی حیثیت دیں۔ تیسرے دور کا آغاز انیسویں صدی کے دوسرے نصف سے ہوا اور اسی کے ساتھ ساتھ برطانیہ میں مالی سرمایہ کاری کا آغاز ہوا۔ اس دور میں ہندوستان میں بہت سی صنعتیں معرض وجود میں آئیں۔

اٹھارویں صدی کے وسط میں ہندوستان کی صنعت دیہی دستکاری تک محدود تھی۔ جس کا زراعت سے قریبی تعلق تھا۔ موروثی دستکاری میں تخصیص کا عمل بعض علاقوں میں فنی اعتبار سے بیحد ماہرانہ تھا جس کے نتیجے میں اعلیٰ قسم کی مصنوعات حاصل ہوتی تھیں[۲] تاہم نو آبادیاتی تسلط نے دستکاری کی صنعتوں کو نقصان دہ حد تک متاثر کیا۔ حکومت کے امتیازی طریقہ کار نے ان صنعتوں کو تباہ کر دیا جس کی وجہ سے مقامی دستکاروں کو صنعتکاری کے میدان سے خارج کر دیا گیا اور وہ محض خام مال کو پیدا کرنے والے اور برآمد کرنے والے بن کر رہ گئے۔ مقامی جاگیرداروں کے درباروں اور لشکریوں کی برطرفی کی وجہ سے اندرونی منڈیاں مزید کم ہو گئیں۔ عام اشیا کے استعمال کے سلسلے میں برطانوی حکمرانوں کی عادات مختلف تھیں جو اشیائے تعیش کی درآمد سے ہی بڑی حد تک پوری ہو سکتی تھیں اسی لئے دیسی اشیاء کی مانگ نہ ہوتی تھی۔ ایک دوسرا سبب جس کی وجہ سے دیسی اشیاء کی مانگ کم ہوئی' کاشتکاروں کا بڑھتا ہوا استحصال تھا جس سے عوام کی بچت متاثر ہوئی۔ نتیجتاً" تھوڑی سی خشک سالی یا ناسازگار موسم قحط سالی اور اموات کا سبب بن جاتے تھے۔ غریب کسانوں کو زندہ رہنے کے لئے قرض لینا پڑتا تھا۔ مزید برآں مقامی صنعتکار کو بیرونی مصنوعات سے مقابلہ کرنے کا چیلنج قبول کرنا پڑتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت میں ہندوستان کو مختلف طریقوں سے لوٹا جاتا تھا۔ کبھی ہندوستانی مصنوعات کو کم قیمت پر خرید کر تو کبھی خزانے یا سونے چاندی یا جنس کی شکل میں خراج زبردستی وصول کر کے۔ خراج یہ تھا کہ لاکھوں پاؤنڈ ہر سال انگلستان کی حکومت کو ادائیگیوں کے بہانے یا نجی رقوم کو منتقل کرنے کے بہانے ہندوستان سے انگلستان براہ راست بھیج دیئے جاتے تھے۔ پوری انیسویں صدی کے دوران میں بیرونی تجارت میں ترقی کے ساتھ ساتھ خراج بھی بڑھتا رہا۔ انیسویں صدی کے وسط میں کرنل سائیکس (Sykes) کے اندازے کے مطابق جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائریکٹر تھا' خراج کی رقم ۳.۵ ملین پاؤنڈ سالانہ تھی۔ اس کے بیان کے مطابق درآمدات کے مقابلے میں برآمدات کی زیادتی کے سبب ہی ہندوستان

خراج کی اس ادائیگی کو برداشت کر سکا۔ ۱۴-۱۹۱۳ء تک خراج کی یہ رقم ۱۹.۴ ملین پاؤنڈ ہو گئی اور ۱۸۵۱ء اور ۱۹۰۱ء کے درمیان ہندوستان کی برآمدات تین گنا ہو گئیں۔ یعنی ۳.۳ ملین پاؤنڈ سے بڑھ کر ۱۱ ملین پاؤنڈ ہو گئیں۔ بیسویں صدی میں یہ رقم اور تیزی سے بڑھتی رہی اور ۱۹۰۱ء اور ۱۹۱۳ء کے درمیان یہ رقم ۱۱ ملین پاؤنڈ سے بڑھ کر ۱۴.۲ ملین پاؤنڈ ہو گئی۔ ۱۹۴۰ء میں خراج کی رقم ۶۹.۷ ملین پاؤنڈ ہو گئی جس میں سے ۲۶.۹ ملین پاؤنڈ تجارتی سامان سے وصول ہوتے تھے اور ۴۲.۹ ملین پاؤنڈ خزانے سے۔[۳]

ایسٹ انڈیا کمپنی کا مقصد ہندوستان اور یورپ کے درمیان تجارت میں اجارہ داری کے ذریعے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا تھا۔ بنگال پر قبضے سے پہلے کمپنی کو ادائیگیاں چاندی اور سونے میں کرنی پڑتی تھیں کیونکہ برطانیہ کی صنعتیں ترقی یافتہ نہ تھیں اور اس طرح ہندوستانی مصنوعات کے ساتھ مقابلے میں زیادہ اچھا منافع نہ دیتی تھیں لہٰذا کمپنی کو ہندوستانی مصنوعات کے ساتھ تبادلے میں ادائیگیاں قیمتی دھاتوں میں کرنا پڑتی تھیں۔ برطانیہ کو ویسٹ انڈیز اور ہسپانوی امریکہ کے ساتھ غلاموں کی تجارت میں سونا حاصل ہو جاتا تھا۔[۴] ڈھائی سو سال سے زیادہ عرصے تک (۱۵۰۰--۱۷۵۷) تجارت کا توازن ہندوستان کے حق میں رہا کمپنی سونے چاندی کے عوض سوت اور ریشم کی مصنوعات خریدتی تھی۔

بنگال میں نوآبادیاتی حکومت نے مقامی صنعتوں کو دبانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ ۱۸۳۳ء میں اس نے پارلیمنٹ کے ذریعہ تحقیقات کرائی کہ مقامی صنعتی پیداوار کو کس طرح تباہ کیا جائے اور اس کی جگہ برطانوی مصنوعات کو منڈیوں میں لایا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے امتیازی محصول لگائے گئے۔ اس کے نتیجے میں ہندوستانی مصنوعات کی مقدار میں بے حد کمی آئی جبکہ محصول سے آزاد تجارت کے ذریعہ برطانوی صنعتکاروں کے لئے ہندوستانی منڈیوں کا راستہ ہموار کر دیا گیا۔ ہندوستان کے اندر داخلی تجارت کو بھی کسٹم اور راہ داری محصول کے ذریعے محدود کر دیا گیا جس کی وجہ سے ہندوستانی مصنوعات ہندوستانی منڈیوں میں مہنگے داموں بکنے لگیں۔

۱۸۱۳ء میں دارالعوام نے ایک انکوائری کے ذریعے معلوم کرایا کہ ہندوستان کو برطانوی مصنوعات کے لئے منڈی بنانے میں کس طرح کامیاب ہوا جا سکتا ہے۔[۵] اس انکوائری کے نتیجے میں یہ بتایا گیا کہ اپنی فنی برتری کو ذریعہ بنانے کی بجائے ہندوستانی مصنوعات کی برآمد پر بھاری محصول لگایا جائے اور اس طرح ہندوستان کو برطانوی مصنوعات کے لئے منڈی بنایا جا سکتا ہے۔

ہندوستانی معیشت پر دستکاری کی تباہی کے اثرات مہلک تھے۔ خوشحال شہر اور منڈیاں زوال پذیر ہونے لگے۔ بڑے بڑے صنعتی شہر مثلاً ڈھاکہ، مرشد آباد، سورت، مالدہ، فیض آباد وغیرہ ویران ہو گئے۔ کلائیو نے مرشد آباد کو لندن سے زیادہ وسیع، آبادی سے بھرپور اور خوشحال بتایا تھا۔ مسٹر مارٹن نے سلیکٹ کمیٹی کو بتایا کہ "سورت، ڈھاکہ، مرشد آباد اور دوسرے مقامات کی تباہی کا ذکر کرنا جہاں دیسی صنعتیں قائم تھیں، انتہائی تکلیف دہ ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تجارت کا یہ طریقہ صحیح تھا۔ میرا خیال ہے کہ طاقتور نے کمزور کو اپنی طاقت کا نشانہ بنایا۔"[۷] کارل مارکس نے ہندوستانی معیشت کی تباہی کو اس طرح بیان کیا ہے "۱۸۱۸ء سے لے کر ۱۸۳۶ء تک برطانیہ سے ہندوستان کے لئے ٹوئیسٹ Twist (سوتی مصنوعات) کی برآمد ۱ کے مقابلے میں ۵۲۰۰ کے تناسب سے بڑھی۔ ۱۸۲۴ء میں ہندوستان کے لئے برطانیہ سے ململ کی برآمد بمشکل ۱۰۰،۰۰۰ گز تھی جو ۱۸۳۷ء میں ۶۴۰۰۰،۰۰۰ گز سے زیادہ ہو گئی لیکن اسی زمانے میں ڈھاکہ کی آبادی ۱۵۰،۰۰۰ سے گھٹ کر صرف ۲۰،۰۰۰ رہ گئی۔ ہندوستانی شہروں کی جو کپڑے کے لئے مشہور تھے یہ تباہی کسی طرح بھی غیر اہم نہ تھی۔"[۸]

انگلستان میں ایک مرتبہ جب متوسط طبقے نے اپنی طاقت کو مستحکم کر لیا تو برطانوی حکومت نے یہ اپنا فرض قرار دیا کہ ساری دنیا کو سوتی مصنوعات برآمد کرنے والے ملک کی بجائے ہندوستان کو مصنوعات درآمد کرنے والا ملک بنا دے۔ پارلیمانی انکوائری کے صرف دس سال بعد ہی جارج ٹکر نے اعتراف کیا کہ "سوتی کپڑے کی صنعت جو اب تک ہندوستان کی مخصوص صنعت تھی، نہ صرف یہاں سے ختم کر دی گئی بلکہ ہم اپنی سوتی مصنوعات کو اپنی ایشیائی نو آبادیوں کے لئے برآمد کرنے لگے۔ ہندوستان نے اس طرح ایک صنعتکار ملک کی بجائے ایک زرعی ملک کی حیثیت اختیار کر لی۔"[۹] ہندوستان میں گو سوت اور ریشم کی صنعت زوال پذیر ہوئی لیکن اس کی دستکاری کی مصنوعات ۱۸۱۳ء تک پوری طرح تباہ ہونے سے بچی رہیں۔ ہندوستانی پارچہ بافی اور ریشمی کپڑے کی صنعتیں اب بھی برطانیہ میں بنے ہوئے کپڑے سے بہتر تھیں۔ انگلستان ہندوستانی مصنوعات کو نقصان پہونچا کر برطانوی مصنوعات کو فروغ دینے کا تہیہ کر چکا تھا۔ جب نپولین نے برطانوی مصنوعات کی یورپ میں درآمد ممنوع قرار دے دی تو برطانوی مصنوعات کی ہندوستان میں درآمد برطانیہ کے متوسط طبقے کے لئے موت و زندگی کا مسئلہ بن گئی۔

نپولین کی جنگوں کے اختتام پر ہندوستانی دستکاری کی صنعتوں کو برطانوی فیکٹریوں سے بڑھتے ہوئے

مقابلے کی وجہ سے مزید دھچکا لگا۔ ان مصنوعات کی تباہی نے پارچہ بافوں کو برباد کر دیا اور ان میں سے بہت سے غذائیت کی کمی اور بے روزگاری کا شکار ہو گئے۔ اس طرح اس آزاد مقابلے سے کئی دستکاری کی صنعتیں برباد ہو گئیں جس سے ہندوستان میں صنعتکاری کے فروغ میں رکاوٹ پیدا ہوئی اور دیہی علاقوں میں آبادی بیحد گنجان ہونے لگی۔[10] اس کے نتیجے میں زمین کی قیمت میں یکدم اضافہ ہوا اور زمین کا لگان بھی بڑھا۔ بڑی تعداد میں زمینوں کے جاگیرداروں کے ہاتھوں میں مرکوز ہو جانے سے جاگیرداروں کے من مانے مطالبے پیدا ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زراعت میں سرمایہ داری کا ارتقاء لامحالہ رک گیا۔ ان حالات میں یہ تعجب خیز نہیں ہے کہ ہندوستان میں بڑے پیمانے پر صنعتی ترقی نہ ہو سکی، حتیٰ کہ کارل مارکس کی یہ پیشین گوئی کہ ریلوے کے ذریعے انجینئرنگ اور دوسری جدید صنعتوں میں ترقی ہو گی محض خواب ہی رہی۔ ۱۸۵۷ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان نو آبادیاتی پالیسی کو ہندوستان میں آزاد تجارت کی پالیسی کے نفاذ اور ہندوستان کی بر آمدات سے حاصل شدہ آمدنی کے فاضل حصے کو آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی افریقہ، امریکہ اور کینیڈا وغیرہ میں سفید فام نو آبادیوں پر سرمایہ کاری سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان سے خام کپاس کی انگلستان میں بر آمد اور وہاں سے تیار شدہ کپڑے کی ہندوستان میں در آمد نے یہاں صنعتی تباہی مچا دی۔ دستکاری کی صنعتوں کے بند ہو جانے سے شہری آبادی گھٹ گئی۔[11] مثلاً ڈھاکے کی آبادی نصف رہ گئی۔ سوت کاتنا جو اس شہر کے تقریباً ہر گھرانے کا پیشہ تھا چھوڑ دیا گیا۔ سوت کاتنے اور کپڑا بننے کے فن کی مانگ جو ایک وسیع اور محنتی آبادی کے لئے روزگار کا ذریعہ تھے انگلستان میں بڑھ گئی جو نہ صرف بیرونی ممالک کی بلکہ ہندوستان کی بھی ضرورتوں کو پورا کرنے لگا۔ ۱۸۱۵ء اور ۱۸۳۲ء کے درمیان ہندوستان کی سوتی مصنوعات کی بر آمد کی مالیت ۱.۳ ملین سے گھٹ کر ۱۰۰،۰۰۰ ملین سے بھی کم رہ گئی جبکہ سوتی مصنوعات کی در آمد ۲۶،۰۰۰ سے بڑھ کر ۴۰۰،۰۰۰ ہو گئی۔[12] دستکاری کے خاتمے کے اثرات ہندوستان کے لئے تباہ کن ثابت ہوئے۔ جیسا کہ Kuczynski نے محسوس کیا "نصف صدی کے اندر ہندوستان کی غیر زرعی پیداوار کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا۔"[13]

اس طرح ہندوستان برطانوی مصنوعات کے لئے منڈی بن گیا جبکہ ہندوستان کی سوتی مصنوعات کے لئے برطانوی حکومت کی طرف سے عاید کردہ در آمدی محصول کے ذریعے برطانوی منڈیوں میں داخلہ ممنوع ہو گیا۔ ۱۸۳۳ء میں مغربی بنگال کی نو آبادیاتی حکومت نے مقامی مصنوعات کی بجائے برطانوی مصنوعات کو فروغ

دینے کے طریقوں کا پتہ لگانے کے لئے پارلیمانی کمیٹیاں قائم کیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے امتیازی محصول عاید کئے گئے حتیٰ کہ ہندوستان میں اندرونی تجارت پر بھی اندرونی محصول کے ذریعے پابندیاں عاید کر دی گئیں جو اندرونی منڈیوں میں ہندوستانی مصنوعات کے ساتھ تفریق کرتی تھیں۔ اس مثال سے یہ صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ ہندوستانی مصنوعات کو برطانیہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے حکومت کو استعمال کیا گیا جبکہ اسی حکومت نے برطانوی مصنوعات کو ہندوستانی منڈیوں میں پہونچانے کے لئے راہ ہموار کی۔ برطانیہ کے دنیا میں غیرمتنازعہ لیڈر کی حیثیت حاصل کر لینے پر ہی آزاد تجارت کا نظریہ برطانوی حکومت کی حکمت عملی قرار پایا۔

بہت سے ہندوستان سرمایہ کار اور تاجر برطانوی سرمایہ داروں کی قیادت میں کام کرنا اپنے لئے منافع بخش سمجھنے لگے۔ مثال کے طور پر انیسویں صدی کے آخری ربعے میں پارسی برطانوی سرمایہ داروں کے اہم شریک کار بن گئے۔ سر جمشید جی جی بھائی (ہندوستانی) چین کے ساتھ افیون کی تجارت میں Jardine Mathesen & Company کا شریک تھا۔ ریلوے لائن کی تعمیر کے کام میں بہت سے پارسی ٹھیکیداروں کو شامل کیا گیا۔ تاہم ہندوستانی اور برطانوی تاجروں کے درمیان یہ شراکت پارسیوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس میں دوسری مذہبی قومیتیں بھی شامل ہو گئیں۔ پریم چند رائے چند جو ایک ہندو تاجر تھا بمبئی کی ایک برطانوی فرم .Ritchie Steward & Co میں دلال تھا۔

انیسویں صدی کے اختتام تک برطانوی حکومت نے آزاد تجارت کی پالیسی پر عمل کیا۔ حکومت کا یہ عمل باقیماندہ دنیا بشمول آسٹریلیا اور کینیڈا کی برطانوی نو آبادیات کی معاشی ترقی کے برعکس تھا۔ ان نو آبادیات کو بھی بیرونی ممالک سے برآمد شدہ مصنوعات کے خلاف محصول کی دیواریں کھڑی کرنے کی اجازت تھی۔ ۱۷۷۶ء میں حصول آزادی کے بعد امریکہ نے جو برطانیہ کی نو آبادی رہ چکا تھا' اپنی صنعتکاری کے فروغ کے لئے اپنی صنعتوں کو تحفظ دینے کا طریقہ اختیار کیا حالانکہ اٹھارویں صدی میں وہ بنیادی طور سے زرعی ملک تھا۔ اس کے مقابلے میں ہندوستان میں کھلی معیشت تھی اسے آزاد تجارت کے اصول کو اپنانے کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ ہندوستان بہت سی مصنوعات برطانیہ سے درآمد کرتا تھا اور خام مال بلکہ غلہ بھی یورپ اور شمالی امریکہ کو برآمد کر دیتا تھا۔ ہندوستان ان ممالک سے تجارت میں فاضل ہوتا تھا جبکہ برطانیہ ان کے ساتھ تجارت میں بالعموم خسارے میں ہوتا تھا۔ ان قدرتی ذرائع کو برآمد کرنے سے ہندوستان کو بہت سا زرمبادلہ

وصول ہوتا تھا جس سے برطانیہ کو انجام کار دوسرے ممالک کے ساتھ تجارتی توازن قائم رکھنے میں مدد ملتی تھی۔[۱۴]

برطانیہ ہندوستانی برآمدات کا سب سے بڑا خریدار تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز تک ہندوستان اپنی کپاس کا بڑا حصہ برآمد کر دیتا تھا۔ نوآبادیات کے ساتھ تجارت کا یہ طریقہ برطانیہ کے لئے بہت مفید تھا۔ برطانوی مصنوعات ہندوستانی منڈیوں میں بلا محصول ادا کئے پہونچتی تھیں جبکہ یورپ کی بہت سی منڈیوں میں برطانوی مصنوعات کے لئے محصول کی پابندیاں تھیں اسی لئے یورپ کی منڈیوں میں برطانیہ کے لئے مقابلہ کرنا دن بدن مشکل ہوتا چلا جا رہا تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز سے ہندوستان کے ساتھ برطانیہ کی نوآبادیاتی پالیسی میں تبدیلی آئی۔ یہ تبدیلی غیرملکی مصنوعات پر بڑھتے ہوئے محصول عاید کئے جانے کی صورت میں تھی۔ ۱۹۱۸ء میں ہندوستانی آئینی اصلاحات کے سلسلے میں Montagu Chelmsford رپورٹ نے ہندوستان کے ساتھ اقتصادی پالیسی میں اس تبدیلی کا واضح طور پر جواز پیش کیا۔ رپورٹ اس نتیجہ پر پہونچی کہ "نہ صرف ہندوستان کے اقتصادی استحکام کے لئے بلکہ اس کے عوام کی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے صنعتی ترقی کی خاطر ہر صورت میں ایک ترقی پسند پالیسی بیحد ضروری ہے۔ اقتصادی اور فوجی تقاضوں کے علاوہ استعماری مفادات کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آئندہ ہندوستان کے قدرتی ذرائع کو بہتر طریقے پر استعمال میں لایا جائے۔ ہم اس قوت کا اندازہ نہیں کر سکتے جو صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ ہندوستان سلطنت برطانیہ کو فراہم کرے گا۔"[۱۵]

اقتصادی مراعات کا جو انہیں دی جا رہی تھیں، پس منظر استعماری عالمی مفادات اور ہندوستان کے متوسط طبقے کے تعاون کا حصول تھا۔ اس تبدیلی سے دوہرے مقاصد حاصل ہوئے جن کا خلاصہ R.P. Dutt نے اس طرح بیان کیا ہے۔ "اول یہ کہ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ بیرونی صنعتکار کو ہٹا کر مقامی صنعتوں کو ترقی دی گئی تو اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی منڈیوں کو کسی خود مختار بیرونی سرمایہ دار طاقت کے ہاتھوں میں چلے جانے کی اجازت دینے کی بجائے برطانوی اقتصادی اور سیاسی تسلط کے ذریعے برطانوی سرمایہ کاری اور حصول منفعت کے لئے زیادہ سودمند امکانات محفوظ کر لئے گئے۔ دوسرے یہ کہ محصولوں کا نظام قائم کر کے سامراجی فوقیت کا راستہ ہموار کیا گیا تاکہ ہندوستانی منڈیوں کی بازیابی کے لئے برطانیہ کی امداد کی جا سکے۔"[۱۶]

مزید برآں نوآبادیاتی منڈیوں کے ذریعے برطانوی معیشت اور سماجی نظام میں تیز تر تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ جیسا

کہ Hobsbawm نے بیان کیا ہے "نپولین کے بعد سب سے پہلی بڑی جنگ میں جب برطانیہ کو فتح حاصل ہوئی اور جب اس کا سب سے بڑا علاقائی حریف جرمنی اس کے مقابلے میں گھٹنے ٹیک گیا اور جب وہ مشرق وسطیٰ کی ریاستوں کو "زیراثر" "زیر حمایت" اور "تابعدار" ریاستوں کے لبادے میں آسانی سے اور ناقابل یقین انداز میں لے کر دنیا کے بڑے حصے پر پہلی مرتبہ چھاگئی تو اس کی روایتی معیشت نہ صرف آگے بڑھنے سے رک گئی بلکہ سکڑ گئی۔ معاشی انحطاط جس کی ماہرین معاشیات ۱۹۱۴ء سے پہلے بات کرتے تھے، واضح طور پر حقیقت بن گیا۔"[۱۷]

برطانیہ کا اقتصادی دباؤ جنگ کی وجہ سے گھٹ گیا کیونکہ خام مال کو جنگی مقاصد کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ جنگ ہی کی وجہ سے برطانیہ سے سوتی کپڑے کی درآمد بار بردار جہازوں کی کمی کی وجہ سے اور جرمن آبدوزوں کے حملے کے پیش نظر متاثر ہوئی۔ دوسری مصنوعات کی برآمد بھی اسی طرح متاثر ہوئی۔ اس مدت میں سوتی سامان کے علاوہ انجینئرنگ اور دوسرے شعبوں میں جنگی سامان فراہم کرنے کے لئے بہت سے ادارے جن کے مالک ہندوستانی تھے، معرض وجود میں آ گئے۔ جنگ کے اختتام پر بیرونی ممالک اور خصوصاً برطانیہ کے ساتھ ہندوستان کے تجارتی تعلقات میں تبدیلی رونما ہوئی مثلاً اس دور میں سوتی کپڑے کی ہندوستان میں درآمد گھٹ گئی۔ دوسری بڑی درآمدی اشیاء کی درآمد بھی گھٹنے لگی مثلاً لوہے، فولاد، کاغذ اور سیمنٹ کی درآمد متاثر ہوئی اور ہندوستان ان چیزوں کو خود ہی بڑے پیمانے پر بنانے لگا۔

## نو آبادیاتی پالیسی میں تبدیلی

سوتی کپڑے پر درآمدی محصول ۱۹۱۷ء میں ۷.۵ فیصد سے ۱۹۲۱ء میں ۱۱ فیصد اور ۱۹۲۲ء میں ۱۵ فیصد تک بڑھا دیا گیا۔ بعد میں لوہے اور فولاد کی صنعت کو بھی تحفظ دے دیا گیا۔ جدید صنعتکاری میں جہاں تک نجی سرمایہ کاری کا تعلق ہے، پہلی جنگ عظیم نے اس کے عمل کے لئے نئے راستے کھولے۔ جدید صنعتوں میں سرمایہ کاری نمایاں طور پر بڑھی اور ۱۹۱۳ء کے بعد چینی، سیمنٹ، لوہے اور فولاد جیسی اشیاء کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۱۳ء اور ۱۹۲۷ء کے درمیان لوہے اور فولاد کی پیداوار ۲۳۹ ٹن سے بڑھ کر ۱۳۸۴ ٹن ہو گئی۔ منافع بھی بڑھا اور ۱۹۲۰ء میں بمبئی کے بڑے بڑے سوتی کارخانے اپنے حصہ داروں کو ۱۲ فیصد منافع دینے کے قابل ہو گئے۔ کلکتے کے پٹ سن کے کارخانوں نے بھی جنگ کی اس گرم بازاری سے فائدہ اٹھایا اور پہلی

جنگ کے دوران میں ۴۲ ملین پاؤنڈ کمائے۔

پہلی جنگ عظیم نے ہندوستان میں جدید صنعتوں کی ترقی میں ایک نئے دور کا اضافہ کیا۔ حکومت کی پالیسی میں مقامی صنعتکاروں کے مفاد میں آہستہ آہستہ تبدیلی آ رہی تھی جس کے نتیجے میں سوتی کپڑے' چائے' کافی' پٹ سن سے بنے ہوئے سامان کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ساتھ مقامی منڈیوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نئے کارخانے لگائے گئے مثلاً کاغذ' چینی' ماچس' لوہے' فولاد' سیمنٹ اور گلاس وغیرہ کے کارخانے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب بین الاقوامی صورت حال میں تبدیلی آئی تو اس سے ہندوستان میں جدید صنعتوں کو ترقی بھی ضروری طور پر متاثر ہوئی۔ جنگ کے بعد برطانیہ ایک کمزور فریق بن کر رہ گیا اور مغربی دنیا میں اس کی بالادستی جو اب تک مسلمہ تھی' زوال پذیر ہونے لگی۔ اٹھارویں صدی کے وسط سے مغربی دنیا کی قیادت برطانیہ کے ہاتھ میں تھی اور لندن دنیا کا اقتصادی مرکز تھا۔ اس دور میں دنیا کی بیشتر تجارت برطانوی جہازوں کے ذریعے ہوتی تھی۔ لیکن بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں دوسرے ملک مثلاً جرمنی' امریکہ اور جاپان اپنے معاشی وسائل کے بل بوتے پر ہندوستانی منڈیوں میں داخل ہونے لگے۔ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کی مخالفت بڑھنے لگی۔ ان وجوہات کی بنا پر نو آبادیاتی حکام نے ہندوستانی صنعتکاروں کو مراعات دینے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اپنے بین الاقوامی حریفوں کو ہندوستانی منڈیوں سے باہر رکھ سکیں۔ حکومت کا مقامی طور پر فولاد خریدنے کا فیصلہ ٹاٹا کے پہلے فولادی کارخانے کے قیام کا سبب بنا۔ ٹاٹا کمپنی نے اپنا معاملہ نو آبادیاتی حکام کے سامنے پیش کرنے کے لئے سابق برطانوی سول سرونٹ سر فریڈرک جیمس کی خدمات حاصل کیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے برطانیہ کو سوچنے پر مجبور کیا کہ برطانیہ سے ہندوستان کے لئے فوجی سامان کی ترسیل میں خاصا وقت لگتا ہے۔ لہٰذا ہندوستان ہی میں کچھ فوجی سامان کی تیاری فائدہ مند ہو گی۔ اسی لئے ۱۸۷۰ء میں کوئلہ اور خام دھاتوں کی صنعت کو ترقی دینے کا فیصلہ کیا گیا اور اسلحہ سازی کے لئے ایک فیکٹری قائم کی۔ اس دور میں جو صنعتیں قائم ہوئیں وہ خام مال کو برآمدات کے لئے تیار کرنے سے متعلق تھیں۔[۱۸] جوتوں اور اون کی صنعتوں کو بھی وسعت دی گئی تاکہ نو آبادیاتی فوج کی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے۔

بعد میں نو آبادیاتی حکام نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی نو آبادیاتی حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے انہیں اپنی پالیسی میں تبدیلی کرنا ہو گی لہٰذا غیر برطانوی حریفوں کے خلاف مقامی صنعتوں کو امتیازی تحفظ دینے کا طریقہ

اختیار کیا گیا۔ جہاں تک لوہے کی آمیزش والی دھاتوں کی در آمد کا تعلق ہے ہندوستان کی منڈیوں پر جرمنی، فرانس اور بلجیم کا تسلط تھا۔ کپڑے کی منڈیوں پر جاپانیوں اور چینی کی منڈیوں پر انڈونیشیا کے ڈچ صنعتکاروں کا قبضہ تھا۔ در آمدی محصول لگنے کی وجہ سے ان ممالک سے در آمد کم ہو گئی۔ اس عمل سے مقامی صنعتکاروں کو موقع ملا کہ وہ ان صنعتوں میں سرمایہ لگائیں۔ تاہم یہ صنعتیں برطانوی صنعتکاروں سے مقابلہ نہ کر سکیں۔ بالفاظ دیگر محض برطانیہ کے بیرونی حریفوں کے مقابلے میں مقامی صنعتکاروں کو تحفظ دیا گیا۔

انیسویں صدی کے اواخر سے برطانیہ کا مسابقت کا جذبہ زوال پذیر نظر آتا ہے۔ ۱۸۷۴ء اور ۱۸۷۹ء کے درمیان ہندوستان کی مجموعی در آمدات میں برطانیہ کا حصہ ۸۲ فیصد تھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ باقیماندہ دنیا سے ہندوستان صرف ۱۸ فیصد در آمد کر رہا تھا لیکن ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۴ء تک برطانیہ سے ہندوستانی در آمدات ۶۶ فیصد رہ گئیں اور بعد میں ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۴ء تک یہ ۶۳ فیصد تک مزید گھٹ گئیں۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جنگ کے دوران ہندوستانی در آمدات میں برطانیہ کا حصہ دو تہائی سے گھٹ کر ایک تہائی سے کچھ اوپر رہ گیا۔ جاپان، جرمنی اور امریکہ نے برطانیہ کو ہندوستانی منڈیوں میں مزید چیلنج کیا۔ ۱۹۱۳ء اور ۱۹۳۲ء کے درمیان ہندوستانی در آمدات میں برطانیہ کا حصہ ۶۳ فیصد سے گھٹ کر ۳۵ فیصد رہ گیا۔ جبکہ جاپان سے در آمدات کا تناسب ۱۹۱۴-۱۹۱۳ء میں ۲.۶ فیصدی سے بڑھ کر ۳۶-۱۹۳۵ء میں ۱۶.۳ فیصدی ہو گیا، جرمنی سے در آمدات کا تناسب ۶.۹ فیصدی سے ۹.۲ ہو گیا اور امریکہ سے ۲.۶ فیصدی سے ۶.۷ فیصدی ہو گیا۔[19]

(جدول-۱ دیکھئے)

## جدول:۱

### سوتی کپڑا جو ہندوستان در آمد کرتا تھا (ملین گزوں میں)

| سال | برطانیہ | جاپان | دوسرے ممالک |
|---|---|---|---|
| ۱۹۱۱ء | ۲۳۷۹ | ۱ | ۵۸ |
| ۱۹۲۱ء | ۹۵۵ | ۹۰ | ۴۵ |
| ۱۹۲۶ء | ۱۴۶۷ | ۲۴۴ | ۷ |
| ۱۹۲۸ء | ۱۴۵۱ | ۳۵۷ | ۱۲۳ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۹۳۰ء | ۵۲۳ | ۳۲۱ | ٦٧ |
| ۱۹۳۱ء | ۳۸۳ | ۳۴۰ | ۴۹ |
| ۱۹۳۲ء | ۵۹۷ | ۵۸۰ | نہیں معلوم |
| ۱۹۳۳ء | ۴۲٦ | ۳۴۹ | " |
| ۱۹۳۴ء | ۵۵۲ | ۳۹۱ | " |

ماخذ: A.S. Pearse (1930) The Cotton Industry of India

Manchester, P.205

ہندوستانی منڈیوں میں برطانیہ کے بنے ہوئے سوتی سامان کو چیلنج کرنے میں جاپان سب سے زیادہ کامیاب تھا۔ ۱۹۱۳ء میں ہندوستان اپنی تمام درآمدات کا ۹۷ فیصد برطانیہ سے درآمد کرتا تھا اور صرف ۰.۳ فیصد جاپان سے۔ لیکن ۱۹۳۳ء تک درآمدات میں جاپان کا حصہ ۴۷.۳ فیصد تک پہونچ گیا جبکہ برطانیہ کا حصہ گر گیا۔ نوآبادیاتی حکومت نے امتیازی محصول عاید کیا جس کی وجہ سے ہندوستانی منڈیوں میں برطانوی مصنوعات بہت حد تک مقابلہ کر سکیں۔ اس کے بدلے میں ہندوستان کو خام مال برطانیہ برآمد کرنے میں رعایتی محصولات کا فائدہ حاصل ہوا۔ نوآبادیاتی حکومت نے بہت سی غیربرطانوی مصنوعات پر بہت زیادہ محصول لگا دیا مثلاً ۱۹۳۴ء میں جب جاپان نے مقابلہ کرتے ہوئے برطانیہ کو چیلنج کیا تو غیربرطانوی کپڑے پر ۱۹۳۴ء میں ۷۵ فیصد محصول بڑھا دیا گیا۔

## جدید صنعتوں کی ترقی

۱۸۸۰ء میں کپڑے کے کارخانوں کی تعداد ہندوستان میں ۵٦ تھی جس سے ۴۳۰۰۰ لوگوں کو روزگار ملتا تھا۔ ان میں سے زیادہ تر کارخانے بمبئی پریسیڈنسی میں قائم تھے اور ان کے مالک ہندوستانی سرمایہ دار تھے۔ مزید برآں انیسویں صدی کے اختتام پر دو زبردست قحط رونما ہوئے۔ ایک ۹۷-۱۸۹٦ء میں اور دوسرا ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں۔ سینکڑوں ہزاروں لوگوں کی جانیں دونوں قحط اور ان کے ساتھ طاعون کی نذر ہو گئیں جس سے سوتی کپڑے کی صنعتوں کی ترقی کی رفتار متاثر ہوئی۔

مغربی ہندوستان کے حالات مختلف رہے جو شروع ہی سے برطانیہ کی استعماری ہوس اور ایسٹ انڈیا

کمپنی کے ہاتھوں لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنگال کی طرح نہ بنا تھا۔ مرہٹوں نے برطانوی تسلط کی بڑے عرصے تک مزاحمت کی اور اس مزاحمت کے دوران میں برطانیہ کو مغربی ہندوستان میں کاروباری شراکت کے لئے تاجروں اور سرمایہ کاروں کی ضرورت پڑی۔ دراصل ریلوے کے نفاذ سے پہلے مرہٹوں کے علاقے میں آسانی سے پیش قدمی نہیں کیا جا سکتی تھی نہ ہی اس علاقے میں بہار کی طرح گھنے جنگلات اور معدنی ذخائر تھے۔ اسی لئے مغربی ہندوستان میں برطانیہ نے تجارتی اور دوسرے کاروباری مقاصد کے لئے مقامی کاروباری لوگوں پر جو زیادہ تر پارسی تھے' بھروسہ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ مغربی ہندوستان میں پارسیوں کو برطانوی کاروباری لوگوں سے اتنا مقابلہ نہیں کرنا پڑا جتنا مشرقی ہندوستان میں۔ اس طرح پارسی ہندوستانی کاروباری لوگوں میں اہم فریق بن گئے۔ اس اعتبار سے انہیں ہندوؤں پر فوقیت حاصل رہی۔ ان کے یہاں ذات پات کا نظام نہ تھا لہٰذا انہیں کسی پیشے کو اختیار کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔

۱۹۰۰ء میں کپڑے کے کارخانے زیادہ تر مغربی ہندوستان یعنی بمبئی اور احمد آباد میں قائم تھے اور بمبئی کارخانوں کا سب سے بڑا مرکز تھا مثلاً ۱۹۰۱ء میں پورے ہندوستان کی تقریباً ۵۶ فیصد کھڈیاں اور ۵۳ فیصد تکلے بمبئی میں تھے۔ بعد میں حالات بدلے اور ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۴ء تک بمبئی کے مقابلے میں احمد آباد میں کپڑے کے کارخانوں کی تعداد تیزی سے بڑھی۔ یہ کارخانے زیادہ تر اندرونی منڈیوں کی ضرورت پورا کرتے تھے۔[۲۰] کھڈیوں کے لئے موٹے سوت کی ضرورت کے پیش نظر جنوبی ہندوستان میں بھی کپڑا بنانے کے تھوڑے سے کارخانے قائم ہوئے تاہم اچھا کپڑا بننے والی کھڈیوں کے لئے اعلیٰ قسم کے سوت کی ضرورت تھی جو وہ مغربی ہندوستان سے حاصل کر لیتی تھیں۔

مصنوعات کو تحفظ دینے کی پالیسی کے علاوہ پارچہ بافی کی صنعت کی ترقی میں دوسرا اہم سبب مشرق بعید کے ایشیائی ممالک کو سوت بڑی مقدار میں برآمد کرنا تھا۔ ۱۸۷۸ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان دھاگے کی برآمد دس گنا بڑھ گئی۔ برآمدی دھاگے کی تیاری کے لئے بمبئی بڑا مرکز تھا اور اس مرکز کا انحصار بڑی حد تک چینی منڈیوں کے لئے دھاگے کی برآمد پر تھا۔ انیسویں صدی کے اختتام پر چین میں سیاسی عدم استحکام کے باوجود ہندوستان سے چین کے لئے سوت کے دھاگے کی برآمد ۱۸۹۰ء میں ۱۴۳.۲ ملین پاؤنڈ وزن سے بڑھ کر ۱۹۰۰ء میں ۲۴۲.۶ ملین پاؤنڈ ہو گئی تھی لیکن ۱۹۰۱ء میں بمبئی میں طاعون پھیل جانے کی وجہ سے کم ہو گئی۔ ۱۹۰۶ء میں پھر ۲۹۸ ملین پاؤنڈ ہو گئی لیکن چین میں خود دھاگے کی پیداوار بڑھ جانے کی وجہ سے اور چین کی منڈیوں میں جاپانی مال آ جانے کی وجہ سے ۱۹۱۴ء میں چین کے لئے دھاگے کی برآمد پھر کم ہو گئی۔ اس کے برخلاف

۹۷-۱۸۹۶ء کے قحط کے سوائے سوتی مال کے لئے ہندوستان کی اندرونی مانگ بڑھتی رہی۔ ہندوستان کے سوتی کپڑے کے کارخانوں میں سوتی کپڑے کی پیداوار بڑھی جبکہ درآمدات میں کمی آئی۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل زیادہ تر کارخانے سوت کاتنے کے کارخانے تھے۔ جنگ کے دوران میں کارخانوں کی تعداد اور تکلوں کی تعداد وہی رہی لیکن کھڈیوں کی تعداد میں ۲۵ فیصد اضافہ ہو گیا۔ ۱۹۱۲ء میں ہندوستانی منڈیوں کی مانگ کا ۷۰ فیصد برطانوی سوتی کپڑے کی درآمد سے پورا ہوتا تھا اور صرف ۲۸ فیصد کپڑے کی مانگ مقامی صنعتکار پوری کرتے تھے لیکن ۱۹۱۸ء میں برطانیہ سے کپڑے کی درآمد کا حصہ ۳۵ فیصد رہ گیا جبکہ مقامی صنعتکاروں کا حصہ بڑھ کر ۶۱ فیصد ہو گیا۔ (جدول-۲ دیکھئے)

## جدول-۲

### سوتی کپڑے کی پیداوار اور درآمد- ہندوستان ۳۶-۱۹۰۰ء
### ملین گز اور اسی تناسب سے حصہ

| سال | کارخانہ کی پیداوار | | کھڈی کی پیداوار | | درآمدات | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| | مقدار | حصہ | مقدار | حصہ | مقدار | حصہ |
| ۱۹۰۰ء | ۴۲۰ | ۱۴.۳ | ۶۴۶ | ۲۲.۰ | ۱۸۷۵ | ۶۳.۷ |
| ۱۹۰۵ء | ۶۹۳ | ۱۷.۱ | ۱۰۳۳ | ۲۵.۴ | ۲۳۳۵ | ۵۷.۵ |
| ۱۹۱۰ء | ۱۰۴۲ | ۲۵.۶ | ۸۶۸ | ۲۱.۳ | ۲۱۶۲ | ۵۳.۱ |
| ۱۹۱۵ء | ۱۴۹۶ | ۳۳.۶ | ۹۴۳ | ۲۱.۲ | ۲۰۱۹ | ۴۵.۱ |
| ۱۹۲۰ء | ۱۵۶۳ | ۴۰.۱ | ۹۳۱ | ۲۳.۹ | ۱۴۰۵ | ۳۶.۰ |
| ۱۹۲۵ء | ۱۹۶۴ | ۴۴.۸ | ۸۸۸ | ۲۰.۳ | ۱۵۲۹ | ۳۴.۹ |
| ۱۹۳۰ء | ۲۴۸۰ | ۵۳.۸ | ۱۲۵۷ | ۲۷.۳ | ۸۷۳ | ۱۸.۹ |
| ۱۹۳۲ء | ۲۹۸۲ | ۵۲.۳ | ۱۵۱۹ | ۲۶.۶ | ۱۲۰۳ | ۲۱.۱ |
| ۱۹۳۴ء | ۳۱۳۵ | ۵۸.۹ | ۱۲۵۵ | ۲۳.۶ | ۹۳۳ | ۱۷.۵ |
| ۱۹۳۶ء | ۳۳۲۲ | ۶۲.۲ | ۱۲۶۵ | ۲۳.۷ | ۷۵۳ | ۱۴.۱ |

ماخذ: G.K. Lieten: Colonialism, Class and Nation, P.3

مغربی ہندوستان میں تاجر پیشہ متوسط طبقے نے اپنی بے حد و حساب دولت کے انبار صنعتی شعبے اور بالخصوص کپڑے کے کارخانوں میں لگانے شروع کئے۔ دراصل ہندوستان میں متوسط طبقہ پہلی جنگی عظیم کے بعد ابھرا۔ سہراب جی شاپور جی جو ہندوستان کے بڑے سرمایہ داروں میں شمار ہوتا ہے' انجینئر تھا۔ جس نے بمبئی کی ایک فوجی اسلحہ بنانے کی فیکٹری میں ایک ماہر سپروائزر کی حیثیت سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ واڈیا ایک دوسرا ابھرتا ہوا سرمایہ دار ایک برطانوی کمپنی میں ٹھیکہ دار تھا اور ٹاٹا اپنے کارخانے کے قیام سے پہلے ایک مشہور تاجر اور دلال تھا۔ بعد میں ٹاٹا احمد آباد میں ایک اور بمبئی میں چار کپاس کے کارخانوں کا مالک بنا۔ امریکہ کی مورگن فرم کی شراکت میں ٹاٹا بمبئی شہر میں توانائی پیدا کرنے والی بجلی کی کمپنی اور ٹریم وے کی اجارہ داری حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔[۲۱] مغربی ہندوستان میں زرعی اراضی میں سرمایہ کاری پنجاب اور مدراس کے مقابلے میں کم فائدہ مند تھی لہٰذا مالکان اراضی نے زیادہ سے زیادہ سرمایہ صنعتی شعبے میں لگایا۔ برودا' اندور اور گوالیار کے حکمران خاندانوں نے بھی صنعتکاری میں سرمایہ لگانا زیادہ محفوظ اور فائدہ مند سمجھا[۲۲]

کپاس کی صنعت ساری کی ساری ہندوستانی سرمایہ داروں کی ملکیت تھی۔ بین الاقوامی منڈی میں ہندوستان بڑے پیمانے پر خام کپاس پیدا کرنے والے تمام ملکوں میں سے ایک تھا لہٰذا ہندوستان کی طرف سے خام کپاس کی فراہمی کپاس کی قیمت پر بہت کم اثر انداز ہو سکتی تھی کیونکہ امریکہ میں غلاموں کی پیداکردہ کپاس مقدار میں زیادہ ہونے کی وجہ سے قیمتوں پر غالب رہتی تھی۔ جنگ کے بعد کپاس کی صنعت اندرونی منڈیوں کی مانگ کو مکمل طور سے پورا کر سکی۔ سستے خام مال کے آسانی سے دستیاب ہونے اور اندرونی منڈیوں کی مانگ میں وسعت کی بنا پر پارچہ بافی کی صنعت ہی وہ واحد صنعت تھی جس کی ترقی کے زیادہ مواقع تھے۔ آزاد تجارت کے اصول کو اختیار کرنے کے بعد کپاس کی صنعت کو نقصان پہونچا اور اس کی تلافی درآمدی محصول کے ذریعہ ہی ہو سکی۔ اس کے علاوہ ۱۸۸۹ء میں روپیہ کی قیمت میں اضافے سے بھی ہندوستان میں کپاس کی صنعت کو خطرہ لاحق ہوا۔ جس طرح روپیہ کی قیمت میں اضافے کی وجہ سے قدرتی طور پر مشرقی ایشیا کے لئے برآمدات میں مسابقت کی وہ صورت نہ رہی جو پہلے تھی اسی طرح برطانوی کپڑے اور دھاگے کی قیمت میں کمی ہندوستانی منڈیوں پر اثر انداز ہوئی۔

اکثر یہ دلیل دی جاتی تھی کہ لمبے ریشے والی کپاس ہندوستان میں زیادہ مقدار میں پیدا نہیں ہوتی جس کی

وجہ سے اعلیٰ دھاگا نہیں بنتا اور نہ ہی اعلیٰ کپڑا تیار ہوتا ہے۔ یہ دلیل حقیقت پر مبنی نہیں ہے کیونکہ مدراس سے لمبے ریشے والی کپاس بڑی مقدار میں برآمد کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستان امریکہ سے اعلیٰ قسم کا دھاگا درآمد کر سکتا تھا۔ میرے خیال میں لمبے ریشے والی کپاس کے لئے اندرونی اور بیرونی منڈیوں سے زور دار مانگ نہ ہونے اور کپاس پیدا کرنے والے علاقوں میں معقول آبپاشی نہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ قسم کا سوتی کپڑا نہ بن پاتا تھا۔

۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۱ء کے درمیان جدید صنعتوں میں صرف کپاس ہی کی صنعت قائم کی جانے والی نہ تھی بلکہ فیکٹریوں کی مجموعی تعداد جن میں کم از کم دس کاریگر کام کرتے تھے، ۹۲۶ سے بڑھ کر ۱۵۴۱ ہو گئی تھی۔ یہ ترقی علاقائی اعتبار سے ناہموار تھی کیونکہ بمبئی پر سیڈنسی میں فیکٹریوں کی تعداد میں ۶۵ فیصد اضافہ تھا۔ ۱۹۱۵ء کے بعد کپاس کی صنعت میں سرمایہ کاری پٹ سن کے مقابلے میں زیادہ ہوئی چنانچہ مغربی علاقوں کے مقابلے میں جہاں زیادہ تر کپاس کے کارخانے قائم تھے، مشرقی علاقوں میں صنعتی ترقی کی رفتار سست رہی۔ مشرقی علاقوں کی دوسری بڑی صنعتیں مثلاً چائے اور کوئلہ بھی تیس کی دہائی کی سردبازاری سے متاثر ہوئیں کیونکہ ان کی ترقی کا زیادہ تر دارومدار بیرونی منڈیوں پر تھا۔ مجموعی طور سے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۵ء کے درمیان صنعتی شعبے میں سرمایہ کاری تیزی سے بڑھتی رہی۔ زیادہ سے زیادہ ہندوستان کے سرمایہ دار صنعتی شعبہ میں سرمایہ کاری کرنے لگے۔ ہندوستانی سرمایہ داروں کی مہم جوئی نے اس میں نمایاں کردار کیا اور بہت سی مصنوعات کو ناظم کی حیثیت سے سنبھالا۔ (دیکھو جدول۔ ۳) بینکنگ انکوائری کمیشن کے مطابق بمبئی میں چلنے والے کارخانوں کے ۵۰ فیصد سرمایہ میں حصہ داروں کی سرمایہ کاری تھی اور صرف ۲۱ فیصد سرمایہ انتظامیہ کے کارندوں کا ہوتا تھا۔[۲۳]

## جدول-۳

### بنگال اور بمبئی کی بہت سی اہم صنعتوں کے مالکوں اور انتظامیہ کی تفصیلات

| صوبہ اور فیکٹریوں کی نوعیت | ان کمپنیوں کی تعداد جن کے ڈائریکٹر | | | بحکار کمپنیوں کی تعداد | | تعداد جن کے منیجر | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | یوروپین اینگلو انڈین | انڈین | دونوں ملے جلے | یوروپین اینگلو انڈین | انڈین | یوروپین اینگلو انڈین | انڈین |
| بنگال | | | | | | | |
| چائے کے باغات | ۱۵۸ | ۱۸ | – | ۴۶ | ۱۸ | ۱۹۳ | ۴۷ |
| کوئلے کی کانیں | ۵۳ | ۶ | ۲۱ | ۷ | ۴۳ | ۶۶ | ۶۳ |
| پٹ سن کو دبانے کی مشینیں | ۵۰ | ۱۶ | – | ۷ | ۳۶ | ۶۴ | ۴۵ |
| پٹ سن کے کارخانے | ۴۹ | – | – | ۱ | – | ۵۰ | |
| مشینری اور انجینئرنگ کے ورکشاپ | ۲۲ | – | – | ۴ | ۷ | ۳۰ | ۷ |
| اینٹوں اور ٹائلوں کی فیکٹریاں | ۷ | ۳ | ۴ | ۱۰ | ۱۳۶ | ۸ | ۱۵۳ |
| تیل کے کارخانے | ۴ | ۴ | – | – | ۱۱۸ | ۴ | ۱۱۵ |
| چھاپے خانے | ۱۱ | ۴ | ۱ | ۱۷ | ۶۵ | ۳۲ | ۷۱ |
| بمبئی | | | | | | | |
| کپاس سے بنولہ نکالنے کے کارخانے | ۱۳ | ۹۲ | ۱۳ | – | ۱۳۴ | ۱۰ | ۳۰۴ |
| کپاس وغیرہ دھاگا بنانے پارچہ بافی اور دوسرے کارخانے | ۱۲ | ۹۲ | ۲۵ | – | ۱۸ | ۴۳ | ۱۰۶ |
| آٹے اور چاول کے کارخانے | ۱ | ۱۴ | ۳ | – | ۳۹ | ۶ | ۵۱ |
| مشینری اور انجینئرنگ ورکشاپ | ۵ | – | ۲ | ۴ | ۲ | ۱۰ | ۳ |
| چھاپے خانے | ۸ | ۸ | – | ۵ | ۳۶ | ۱۶ | ۴۵ |
| ریلوے ورکشاپ | ۱۳ | – | – | – | – | ۱۲ | ۱ |

ماخذ: Census of India 1911, Vol.I, India Part I:
Report by E.A. Gait, Calcutta, 1913, AK Bagchi, 1972, P.183

ہندوستان میں پٹ سن کی صنعت دوسری جنگ عظیم تک تقریباً کل کی کل برطانوی سرمایہ کاروں کے ہاتھوں میں رہی- ایک واحد ہندوستانی ایل این کنوریا کے علاوہ تمام ڈائریکٹر انگریز تھے- خام پٹ سن کی پیداوار کی اجارہ داری ہندوستان کے ہاتھ میں تھی لیکن پٹ سن کی صنعت کے مالکان ہندوستانی نہیں تھے- یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہندوستانی اس صنعت میں سرمایہ لگانا نہیں چاہتے تھے- کپاس کی صنعت کی ترقی ان کی استعداد اور مہارت کو ظاہر کرتی ہے- پٹ سن کی پیداوار خام مال کی شکل میں اور مصنوعات کی صورت میں محض برآمدات کے لئے تھی- پٹ سن کیونکہ برآمدات والی جنس تھی لہٰذا بیرونی منڈیوں سے رابطہ صرف وہ لوگ کر سکتے تھے جن کا بیرونی منڈیوں سے رابطہ تھا اور جن کے پاس ان کے متعلق علم تھا- بیرونی منڈیوں کے متعلق یہ علم اور ان سے رابطہ یقیناً برطانوی تاجروں کے پاس تھا-

پہلی جنگ عظیم سے قبل خام پٹ سن کی نصف مقدار بالخصوص یورپ اور امریکہ کو برآمد کر دی جاتی تھی- جتنا پٹ سن ہندوستان سے برآمد کیا جاتا تھا اس کا تقریباً ایک تہائی برطانیہ درآمد کرتا تھا- ان ممالک میں پٹ سن کی مصنوعات پر درآمدی محصول لگا کر پٹ سن کی صنعت کو ترقی حاصل ہوئی تھی- یہ ممالک خام پٹ سن بغیر محصول درآمد کرتے تھے- پٹ سن کی صنعت تقریباً مکمل طور سے برطانیہ کی ملکیت تھی لہٰذا محصول کے کوئی خاص مسائل نہ تھے- جہاں تک برآمدات کا تعلق ہے یہ ظاہر ہے کہ جس صنعت کو اندرونی منڈیوں میں تحفظ حاصل ہو، سستا خام مال دستیاب ہو اور کم اجرت پر مزدور ملتے ہوں جس کی وجہ سے کثیر نفع حاصل ہوتا ہو وہ صنعت بیرونی منڈیوں میں کم نفع پر بھی اپنی برآمدات بھیج سکتی ہے- یہ بھی واضح ہے کہ ہندوستانی منڈیوں میں تحفظ سے ہی بیرونی منڈیوں میں پٹ سن کی صنعت کو فائدہ حاصل ہوا- جنگ کے دوران میں جنگی سامان کے لئے پٹ سن کی مانگ بہت زیادہ بڑھی- جنگ کی وجہ سے ریلوے کی تعمیر اور دوسری سرکاری تعمیرات میں کام کرنے والے مزدور کیونکہ برطرف کر دیئے گئے تھے لہٰذا ہندوستان میں پٹ سن کی صنعت کو کم اجرت پر مزدور مل گئے-

۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان پٹ سن کے کارخانوں میں نو کارخانوں کا اضافہ ہوا- ۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۲ء کے درمیان کارخانوں کی ترقی اور برآمدات کے لئے مانگ میں کچھ کمی واقع ہوئی لیکن ۱۹۱۴ء میں پھر اضافہ ہو گیا- برآمدات میں اضافے کی وجہ سے کھڈیوں اور تکلوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا- اس اضافہ کا زیادہ تر فائدہ برطانوی تاجروں کو ہوا جو بیشتر پٹ سن کے کارخانوں کے مالک تھے-

ہندوستان میں پٹ سن کی صنعت کو خام پٹ سن کی پیداوار میں اجارہ داری حاصل تھی۔ ہندوستان پٹ سن کا واحد برآمد کرنے والا ملک تھا لہٰذا پٹ سن کی قیمتوں کے تعین میں اس کا بڑا حصہ تھا۔ ہندوستان میں پٹ سن کی پیداوار کا بڑی حد تک انحصار بیرونی منڈیوں پر تھا کیونکہ پٹ سن کی پیداوار کا ۹۲ فیصد برآمد کر دیا جاتا تھا۔ یورپ میں پٹ سن کے کارخانوں کے مالکان پٹ سن کی پیداوار پر براہ راست اثر انداز نہ تھے البتہ وہ پٹ سن کی پیداوار کو بڑھانے میں دلچسپی رکھتے تھے لہٰذا وہ حکومت پر زور دیتے تھے کہ وہ پٹ سن کی پیداوار کی حوصلہ افزائی کرے۔ حکومت کو کوئی دلچسپی نہ تھی کیونکہ پٹ سن کی کاشت کو بڑھانے کے لئے ذرائع آبپاشی پر سرمایہ لگانا اس کے لئے نفع بخش نہ تھا۔ مزارعین کو بھی کوئی دلچسپی نہ تھی کیونکہ ان کو اس کی بہت کم قیمت ملتی تھی اس لئے پیداوار بڑھانے میں ان کے لئے کوئی محرک نہ تھا۔ پٹ سن کی کاشت کرنے والے متحد نہ تھے اور جو قیمت انہیں ملتی تھی وہ ان کے قابو سے باہر تھی۔ وہ اکثر مقروض رہتے تھے اور پٹ سن کی فصل کو بڑھانے کے لئے ان کے پاس سرمایہ بھی نہ ہوتا تھا۔

۶-۱۹۰۵ء اور ۱۴-۱۹۱۳ء کے درمیان پٹ سن کی صنعت میں سرمایہ کاری کبھی بڑھتی تھی اور کبھی گھٹتی تھی اور صحیح معنوں میں قیمتوں میں اضافے کا واضح رجحان نہ پایا جاتا تھا۔ ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان تین کارخانوں کا اضافہ ہوا جن میں سے ایک کا مالک امریکہ کا رہنے والا تھا۔ پٹ سن کے کارخانوں میں سرمایہ کاری زیادہ تر ہندوستان میں آباد برطانوی باشندوں کی طرف سے ہوئی تھی۔ ۱۹۰۹ء میں کلکتے میں پٹ سن کی صنعت میں سرمایہ کاری کے دس ملین پاؤنڈ کے تخمینے میں سے ۲.۸ ملین پاؤنڈ کی سرمایہ کاری برطانیہ میں رجسٹر شدہ آٹھ کمپنیوں میں ہوئی۔[۲۴]

بیسویں صدی کی ابتدا میں پٹ سن کی مصنوعات کے لئے بیرونی ممالک کی مانگ بڑھ رہی تھی، یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی وجہ سے ہندوستان میں پٹ سن کی صنعت کو دوسرے ممالک میں اپنے مقابلہ کرنے والوں سے بازی لے جانے کا موقع ملا (دیکھو جدول- ۴) حساب لگایا گیا کہ بیباق شدہ سرمایہ سے اصل نفع کا تناسب ۱۹۱۴ء میں ۱۰ تھا جو ۱۹۱۵ء میں بڑھ کر ۵۸ ہو گیا اور ۱۹۱۶ء میں ۷۵ ہو گیا۔[۲۵] لیکن صنعتی پیداوار میں اضافہ نہ ہوا۔ انجینئرنگ کا شعبہ مکمل طور سے جنگی سامان بنانے میں مصروف تھا اور باربردار جہازوں کی بھی کمی تھی۔ یورپ کے باشندوں کے ہاتھوں سے پٹ سن کی صنعت کا مکمل قبضہ بھی برابر کم ہوتا جا رہا تھا۔

## جدول - ۴

### ہندوستان میں خام پٹ سن کے تیار کرنے کا فیصد

| سال | خام پٹ سن کا فیصد جو ہندوستانی کارخانوں میں خرچ ہوتا تھا |
|---|---|
| ۱۹۱۳ء | ۴۹ |
| ۱۹۱۴ء | ۵۹ |
| ۱۹۱۵ء | ۶۱ |
| ۱۹۱۶ء | ۶۳ |
| ۱۹۱۷ء | ۷۱ |
| ۱۹۱۸ء | ۶۵ |
| ۱۹۱۹ء | ۵۷ |
| ۱۹۲۰ء | ۶۶ |

ماخذ: Indian Jute Mills Association (LIMA), Report of the Committee for the year ended December 31, 1921 (Calcutta 1922), P.167

ہندوستانی تاجروں کے ہاتھوں جو زیادہ تر مارواڑی تھے' خام پٹ سن میں سٹے کے بڑھتے ہوئے رجحان سے پٹ سن کے کارخانے متاثر تھے۔ جنگ کے بعد ہندوستانی کاروباری لوگ پٹ سن کے کارخانوں مثلاً برلا جوٹ مینوفیکچر Birla Jute Manufacture اور حکم چند جوٹ ملز Hukam Chand Jute Mills میں سرمایہ کاری کرنے لگے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد آسٹریلیا' نیوزی لینڈ' امریکہ وغیرہ بھی پٹ سن کی مصنوعات بڑی مقدار میں ہندوستان سے درآمد کرنے لگے۔ ۱۹۳۰ء کی دہائی میں سرد بازاری رونما ہونے تک برآمدات بڑھتی رہیں جس کے بعد خام پٹ سن اور پٹ سن کی مصنوعات کی مانگ کم ہو گئی۔ اس سرد بازاری سے کارخانوں کے مالکان اور پٹ سن کی کاشت کرنے والوں کے تعلقات سنگین ہو گئے۔ کاشتکار ایک دوسرے کے خلاف مسابقت میں مصروف تھے اور اتنے متحد نہیں تھے کہ خام پٹ سن کی قیمت پر اثر انداز ہو سکیں۔ دوسری طرف ان کے مقابلے میں کارخانوں کے مالکان مضبوط قسم کی انجمنیں بنا کر متحد ہو گئے تھے۔ مزید

برآں خام پٹ سن کی قیمتیں فصل بونے اور فصل کٹنے کے درمیانی وقفے میں بہت بدل رہی تھیں۔ ایسی صورت میں فصل کٹنے کے بعد جب کہ قیمتیں بیحد کم ہوتی تھیں تمام مال خرید کر کارخانے زیادہ سے زیادہ نفع کما سکتے تھے۔ سرد بازاری کے دور میں پٹ سن کا زیرکاشت رقبہ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک ۵۰ فیصد کم ہو گیا لیکن ۳۴-۱۹۳۳ء میں خام پٹ سن کی قیمت میں کمی کے باوجود ۲۵ فیصد بڑھ گیا۔[۲۶]

سرد بازاری کے دور میں پٹ سن کے کاشتکار زمینداروں کے زیادہ قرض دار ہو گئے تھے۔ قرض دینے والے بڑے بڑے مقامی زمیندار یا تاجر تھے جو کاشتکاروں پر پوری طرح قابو رکھتے تھے۔ مزید برآں حکومت کی طرف سے بڑھتے ہوئے مالیہ کے مطالبے کاشتکاروں کو کٹائی سے پہلے ہی فصل کو فروخت کرنے پر مجبور کر دیتے تھے کیونکہ ان کی ان فصلوں کی ضمانت پر ہی انہیں قرضے ملتے تھے۔

ریلوے دوسرا شعبہ تھا جہاں ہندوستان کے برطانوی دور حکومت میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری ہوتی تھی۔ ۱۸۵۳ء میں حکومت نے بڑے پیمانے پر ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر کی تجویز پیش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ یہاں سے خام مال کی برآمد کو بڑھایا جائے اور برطانوی مصنوعات کو وسیع پیمانے پر مقامی منڈیوں میں درآمد کیا جائے۔ خود لارڈ ڈلہوزی کا بیان ہے "مجھے پورا یقین ہے کہ ریلوے کی تعمیر سے ہندوستان کو تجارتی اور معاشرتی فوائد موجودہ تمام اندازوں سے زیادہ حاصل ہوں گے۔ انگلستان کو کپاس کی سخت ضرورت ہے جو ہندوستان پہلے ہی کسی حد تک پیدا کر رہا ہے اور آئندہ بھی خاصی معیاری اور کافی مقدار میں پیدا کرتا رہے گا بشرطیکہ کپاس کو دور دراز مقامات سے ان مختلف بندرگاہوں تک پہونچانے کا معقول انتظام کر دیا جائے جہاں سے بذریعہ باربردار جہاز اسے برآمد کیا جا سکے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ تجارت میں جتنی زیادہ آسانیاں فراہم کی گئی ہیں ان کی وجہ سے ہندوستان کی دور دراز منڈیوں یوروپین مصنوعات کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ دنیا کے اس خطے میں ہماری مصنوعات کے لئے جو نئے مواقع پیدا ہو رہے ہیں وہ فاضل ترین حضرات کے ان اندازوں سے بھی زیادہ ہیں جو ان کی متوقع قدر و قیمت اور مستقبل میں ان کی وسعت کے متعلق کئے گئے ہیں۔"[۲۷]

برطانوی سرمایہ داروں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ریلوے پر اب تک خرچ کی جانے والی رقم سے زیادہ خرچ کی جائے کیونکہ ابھی بہت سے علاقے باقی ہیں جہاں ریلوے نہیں پہونچی ہے۔ انیسویں صدی کے اختتام تک ریلوے مجموعی طور سے نقصان میں چل رہی تھی کیونکہ ضمانت کے پرانے نظام کے مطابق

حکومت کو تمام نقصانات برداشت کرنے پڑتے تھے اور اس لئے بھی کہ ریلوے کا خاصا حصہ فوجی مقاصد کے لئے بنایا گیا تھا۔

مزید برآں انیسویں صدی کے اختتام تک ریلوے غیر منافع بخش رہی اور حکومت کی ملکیت ہونے کی وجہ سے خالص نقصان میں چلتی رہی۔ یہ زیادہ تر اس وجہ سے ہوا کہ حکومت کی پالیسی تھی کہ ہندوستان میں برطانوی سرمایہ کاروں کو منافع کی ادائیگی کی ضمانت دے کر ریلوے میں سرمایہ کاری کے لئے متوجہ کرے۔ نو آبادیاتی نظام کے تحت ہندوستان میں عوام کو ریلوے سے کوئی اقتصادی فوائد حاصل نہیں ہوئے اور نہ ہی ریلوے سے ان کے لئے آمدنی کے نئے ذرائع پیدا ہوئے کیونکہ ریلوے پر مجموعی اخراجات کا بڑا حصہ ملک سے باہر بھیج دیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں ریلوے کی ترقی بھاری مشینیں تیار کرنے کی صنعت کے لئے محرک نہ بن سکی جس طرح یوروپین ممالک میں بنی تھی۔ اس پہلو کا لب لباب جینک (Jenk) کے مطابق یہ تھا۔

"انیسویں صدی کی اسی ویں دہائی کے ابتدائی سالوں میں ہندوستان میں ریلوے پر خرچ ہونے والے سرمائے کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ انگلستان میں ریلوے کے لئے لوہے کی تیاری اور اس کے مشرق بھیجے جانے پر خرچ ہو جاتا تھا۔ انگلستان سے کوئلے کی درآمد' ریلوے کی تعمیر اور اس اسٹاف کی مدد سے جو انگریز تھا اور جسے انگریزی معیار کے مطابق تنخواہ دی جاتی تھی' ریلوے کو چلانے نے ان فوائد کو اور کم کر دیا جو ہندوستانیوں کو ریلوے سے حاصل ہو سکتے تھے۔[۲۸]

ریلوے کی تعمیر اور نو آبادیاتی جنگ میں شرکت سے ہندوستان کے قومی قرضے میں بیحد اضافہ ہوا۔ ۱۹۰۰ء تک قومی قرضہ ۲۲۴ ملین پاؤنڈ ہو گیا اور ۱۹۱۳ء تک یہ ۲۷۴ ملین پاؤنڈ تک بڑھ گیا۔ تقریباً ۷۰ ملین پاؤنڈ افغانوں کے ساتھ جنگ اور ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کو فرو کرنے پر خرچ ہوئے اور بقیہ ریلوے کی تعمیر اور نظام آبپاشی پر صرف ہوا۔ ریلوے کی تعمیر' حکومت کی امداد' نجی سرمایہ کاروں کے لئے ضمانت اور بعد میں حکومت کی طرف سے براہ راست ریلوے کی تعمیر نے قرضے کو بیحد بڑھا دیا۔ حکومت نے ہندوستان میں ریلوے پر اس غیر منافع بخش سرمایہ کاری کو ۵ فیصد منافع کی شرح کی ضمانت دی۔

فوجی مقاصد کے علاوہ ریلوے کی تعمیر اندرونی علاقوں اور بندرگاہوں کے درمیان رابطہ قائم کرنے کے لئے کی گئی تھی۔ یہ بھی واضح ہے کہ اندرونی علاقوں سے بندرگاہوں تک سامان لیجانے کا ریل کا کرایہ اتنا نہ تھا جتنا ایک اندرونی تجارتی مرکز سے دوسرے تجارتی مرکز تک لیجانے کا تھا۔[۲۹] حکومت کے لئے بیرونی

تجارت بہت اہم تھی۔ بمبئی کے علاوہ تمام بیرونی تجارت پر جو ہندوستان کے بڑے بندرگاہوں کے ذریعہ کی جاتی تھی برطانیہ پوری طرح قابض تھا۔ کلکتہ کا بندرگاہ جہاں سے افیون' پٹ سن اور چائے برآمد کی جاتی تھی اور جہاں سے مانچسٹر کا کپڑا درآمد ہوتا تھا' سرمایہ کاری کے اعتبار سے برطانیہ کے قبضے میں تھا۔ جہازوں کے ذریعہ تجارتی سامان بھیجے جانے پر برطانیہ کی اجارہ داری کی وجہ سے ہندوستان کے تجارتی منافع کا بیشتر حصہ برطانیہ کو مل جاتا تھا۔

ریلوے اپنے کل اخراجات کا بہت تھوڑا سا حصہ ہندوستان میں صرف کرتی تھی۔ ہندوستان کے وہ تجارتی ادارے جو ریلوے کی خریداری سے فائدہ اٹھاتے تھے' زیادہ تر کلکتہ' بمبئی' کانپور اور مدراس میں تھے جو پوری طرح یوروپین تاجروں کے قبضے میں تھے۔ ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء کے قحط سے پہلے حکومت ایسی سرمایہ کاری کے خلاف تھی جس سے زیادہ منافع حاصل نہ ہو۔ اسی اصول پر نہروں کے ذریعے آبپاشی پر سرمایہ کاری بہت کشش رکھتی تھی مثلاً نہری آبپاشی کے بڑے بڑے مراکز سے اوسطاً" ۷ فیصد خالص آمدنی ہو جاتی تھی اور اس دوران میں حکومت لندن میں کم شرح سود پر ۳ فیصد اور ۴ فیصد کے حساب سے قرضہ لے سکتی تھی۔[۳۰]

حکومت کے ریلوے پر توسیعی اخراجات استعمال کے اضافی رجحان کو بڑھا سکتے تھے لیکن یہ اثرات ہندوستان میں جدید صنعتوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے ظاہر نہ ہوتے تھے۔ اس طرح ہندوستان میں ریلوے کی ترقی کے نتائج دوسرے ممالک کے مقابلے میں مایوس کن تھے۔[۳۱]

نو آبادیاتی ملازمین برطانوی مصنوعات کو ترجیح دیتے تھے۔ ریلوے کے علاوہ استعمال کے لئے لوہے اور فولاد کی مصنوعات درآمد کرنے میں حکومت کا بہت تھوڑا حصہ تھا۔ لہٰذا ریلوے ہی لوہے اور فولاد کی مصنوعات کی سب سے بڑی صارف تھی اور ہندوستان میں بنے ہوئے فولاد کی ریلوے کے لئے خریداری یقیناً فولاد کی مقامی فیکٹری کے لئے مددگار ثابت ہوئی ہو گی۔

## جدول-۵

ریلوے کے لئے لوہے اور فولاد کے بنے ہوئے سامان کی ہندوستان میں درآمد (اعداد ٹنوں میں)

| سال | بشمول تعمیری سامان تمام ممالک سے | برطانیہ سے |
|---|---|---|
| ۹۵-۱۸۹۴ء | ۱۵۰۷۱۳ | ۱۵۰۱۵۵ |
| ۹۹-۱۸۹۸ء | ۲۴۱۳۰۰ | ۲۳۵۱۰۰ |
| ۱-۱۹۰۰ء | ۱۳۳۱۵۰ | ۱۲۳۱۵۰ |
| ۴-۱۹۰۳ء | ۲۲۲۱۵۰ | ۲۱۸۰۰۰ |
| ۶-۱۹۰۵ء | ۳۰۷۵۵۰ | ۲۹۳۶۰۰ |
| ۸-۱۹۰۷ء | ۲۱۰۸۵۰ | ۲۰۳۵۰۰ |
| ۱۰-۱۹۰۹ء | ۲۵۴۹۵۰ | ۲۴۳۷۵۰ |
| ۱۲-۱۹۱۱ء | ۲۳۷۳۰۰ | ۲۲۹۲۵۰ |
| ۱۵-۱۹۱۴ء | ۲۸۶۹۵۰ | ۲۸۳۹۰۰ |
| ۱۷-۱۹۱۶ء | ۳۱۴۴۹ | ۲۸۰۵۹ |
| ۱۹-۱۹۱۸ء | ۵۱۱ | ۵۰۹ |
| ۲۱-۱۹۲۰ء | ۹۱۸۴۲ | ۸۹۶۲۴ |
| ۲۳-۱۹۲۲ء | ۲۰۰۵۳۳ | ۱۸۷۸۵۸ |
| ۲۵-۱۹۲۴ء | ۸۰۷۶۴ | ۶۵۶۳۴ |

ماخذ: Govt. of India, CISD: Accounts of the Seaborne Trade of British India, Calcutta, Annual.

۱۹۱۲ء میں ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی نے ایک بڑی فیکٹری اور بڑی مقدار میں خام لوہے سے فولاد سازی کا کام شروع کیا۔ ٹاٹا نے بمبئی شہر کو بجلی پہونچانے کے لئے ہندوستان کے مغربی ساحل پر ایک پن بجلی پیدا

کرنے والا کارخانہ لگایا۔ ان دونوں منصوبوں پر ہندوستانی سرمایہ لگا تھا اور ان کی کامیابی کا بڑی حد تک انحصار حکومت کی ضمانت پر تھا کہ وہ ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کی پیداوار کا ایک حصہ خریدے گی۔ حکومت نے ٹاٹا کمپنی کو یہ کارخانہ لگانے کے لئے زمین بھی کم قیمت پر دی اور وہاں تک ریلوے لائن بچھا دی۔

جنگ کے سامان کی مانگ نے فولاد کی صنعت کے منافع میں اضافہ کیا۔ ٹاٹا کے علاوہ فولاد کی صنعت میں برطانیہ' انڈین آئرن اینڈ اسٹیل کارپوریشن اور اسٹیل کارپوریشن آف بنگال شریک تھے۔ فولاد کی پیداوار ۱۹۱۳ء میں ۱۹۰۰۰ ٹن سے بڑھ کر ۱۹۱۸ء میں ۱۲۴۰۰۰ ٹن ہو گئی۔ ہندوستان میں فولاد کی مجموعی پیداوار کا دو تہائی حصہ صرف ٹاٹا کے کارخانے میں بنتا تھا۔ ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل مل کی تعمیر اور سرمایہ کاری ہندوستانی سرمایہ سے ہوئی تھی لیکن نو آبادیاتی حکومت نے اسے بنیادی ڈھانچہ فراہم کرنے اور منڈیوں میں اس کی مصنوعات کی کھپت کے ذریعہ اس کی سرپرستی اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی (Tisco) ۱۹۲۰ء کی دہائی میں ہندوستانی نجی سرمایہ کاری کی ایک اہم صنعت تھی۔ اس کارخانے کو اپنے ابتدائی دور میں محصول سے تحفظ حاصل نہیں تھا لیکن عالمی جنگ کے فوراً بعد ہی جنگ کے دوران اس کی خدمات کے صلہ میں اسے یہ تحفظ حاصل ہو گیا۔ Tisco کو کارخانے کے قیام کے لئے جگہ' سستے داموں مزدور' کوئلہ' خام لوہا وغیرہ مل جانے کے فوائد حاصل ہوئے۔ سستے داموں خام لوہا مل جانے سے Tisco کو خاص طور سے بہت فائدہ ہوا جیسا کہ J kennedy 'Tisco کے مشیر انجینئر نے بتایا۔ "ایک ٹن لوہے کے ڈلوں کے لئے خام لوہا نکالنے پر ۱۹۱۵ء میں یہاں ۷۵ سینٹ خرچ ہوتے تھے جبکہ Pitts Burg (پٹس برگ) میں ۸ ڈالر خرچ ہوتے تھے۔"[۳۲] کوئلہ اچھی قسم کا نہ تھا۔ جنگ سے پہلے ٹاٹا کوئلے کی چند کانوں کا مالک تھا۔ کوئلے کی مجموعی پیداوار ۱۶.۲ ملین ٹن سے بڑھ کر ۲۲.۶ ملین ٹن ہو گئی۔ میگنیشیم' خام لوہا' سیسہ' جست اور چاندی کی پیداوار میں بھی اضافہ ہوا۔ تاہم نو آبادیاتی افسر شاہی کی وجہ سے جو ماہرین فراہم کرنے اور لندن کے سرمایہ کاروں سے قرضہ حاصل کرنے میں ہچکچاتی تھی' کارخانے کو کچھ رکاوٹوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ نو آبادیاتی نظریہ کہ ہندوستان میں اچھے قسم کا فولاد نہیں بن سکتا' غالب رہا۔ دوسرا بڑا مسئلہ فروخت کا تھا۔ ریلوے فولاد کی مصنوعات کی واحد سب سے بڑی خریدار تھی جس کے افسران بالا ہندوستانی فولاد کی مصنوعات کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انجینئرنگ کی بہت سی فرمیں برطانوی افراد کی ملکیت تھیں' انجینئر اور تکنیکی ماہرین بھی انگریز تھے۔

جنگ کے دوران میں جنگ کے لئے فولاد کی مانگ اور باربرداری کے جہازوں کی کمی کی وجہ سے فولاد کی درآمدات کم ہو گئیں۔ ۱۹۱۸ء میں حکومت نے ٹاٹا کی مجموعی پیداوار کا ۹۰ فیصد خرید لیا۔ برطانوی فوجوں نے جو مشرق وسطیٰ میں لڑ رہی تھیں فولاد کی مانگ کو تیزی سے بڑھا دیا۔ Tisco نے بھی اپنی مقررہ مقدار سے زیادہ اپنی پیداوار کو بڑھا لیا مثلاً کارخانے سے ۱۷۵ ٹن لوہے کے ڈلے روزانہ کے حساب سے پیداوار متوقع تھی لیکن اس کی پیداوار ۲۵۰ ٹن روزانہ کے حساب سے بڑھ گئی۔[۳۳]

Tisco کی انتظامیہ کو علم تھا کہ جنگ کے بعد کچھ مشکلات کا سامنا ہو گا۔ یہ متوقع تھا کہ یورپ اور امریکہ کے فولاد ساز ہندوستانی منڈیوں میں داخل ہو جائیں گے۔ جنگ کے بعد Tisco مشینیں اور اوزار بہت زیادہ قیمت پر درآمد کرنے لگی لیکن ۱۹۲۳ء میں قیمتیں کم ہو گئیں۔ ان عوامل نے عالمی قیمتوں پر فولاد کی فروخت کے لئے مشکلات پیدا کیں۔ Tisco نے عالمی صورت حال سے واقف ہوتے ہوئے بھی ریلوے بورڈ کے ساتھ لوہے اور فولاد کی مصنوعات کو بہت کم قیمت پر درآمد شدہ فولاد کی قیمت سے بھی کم قیمت پر فراہم کرنے کا معاہدہ کر لیا۔

فولادی صنعت کے تحفظ کے قانون The Steel Industry Protection Act نے ۱۹۲۴ء میں فولادی صنعت کو تین سال کے لئے تحفظ دیا۔ ۱۹۲۶ء میں حکومت نے ٹیرف بورڈ Tariff Board سے فولاد کی صنعت پر رپورٹ طلب کی۔ ٹیرف بورڈ نے سفارش کی کہ تحفظ کی مدت کو سات سال تک بڑھا دیا جائے جو کہ Tisco کی پیداواری استعداد ۴۲۰،۰۰۰ ٹن فولاد سے بڑھ کر ۶۰۰،۰۰۰ ٹن ہو جانے کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے ضروری تھا۔ ۱۹۲۶ء میں Tisco اور Bird & Co. نے یونائیٹڈ اسٹیل کارپوریشن آف ایشیا کے نمائندے کی حیثیت سے مطالبہ کیا کہ تحفظ کی ضمانت کو دس سال تک بڑھا دیا جائے۔ فولاد کی صنعت کو اب بھی اندازہ تھا کہ اگر حکومت تحفظ کو جب تک ضروری ہے جاری رکھنے کا اعلان کر دے تو فولاد کی صنعت میں مزید سرمایہ کاری ہو سکے گی۔ حکومت نے دس سال کی مدت کے لئے محصول سے تحفظ دینا منظور نہ کیا۔

## جدول-٦

### ہندوستان میں فولاد کی کھپت

| سال | فولاد کی کھپت ۰۰۰ ٹن میں | مجموعی کھپت میں Tisco کا فیصد حصہ |
|---|---|---|
| ۲۴-۱۹۲۳ء | ۸۳۹.۶ | ۱۷.۶ |
| ۲۵-۱۹۲۴ء | ۸۳۹.۴ | ۲۸.۵ |
| ۲۶-۱۹۲۵ء | ۱۰۳۸.۰ | ۳۱.۳ |
| ۲۷-۱۹۲۶ء | ۱۰۰۴.۶ | ۳۷.۳ |
| ۲۸-۱۹۲۷ء | ۱۴۰۲.۶ | ۳۰.۱ |
| ۲۹-۱۹۲۸ء | ۱۱۴۵.۹ | ۲۳.۷ |
| ۳۰-۱۹۲۹ء | ۱۰۷۸.۷ | ۳۵.۴ |
| ۳۱-۱۹۳۰ء | ۸۱۱.۴ | ۵۱.۲ |
| ۳۲-۱۹۳۱ء | ۶۲۷.۲ | ۶۵.۴ |
| ۳۳-۱۹۳۲ء | ۵۷۴.۱ | ۷۲.۳ |

ماخذ: ITB: Statutory enquiry 1933, Steel Vol.I Delhi, 1934, pp. 57-58.

لوہے کے ڈلے بنانے والے کچھ اور بڑے کارخانے بھی تھے۔ مثلاً بنگال آئرن کمپنی اور میسور آئرن اینڈ اسٹیل ورکس۔ میسور آئرن اینڈ اسٹیل ورکس کو میسور کی صوبائی حکومت نے قائم کیا تھا۔ اس کا Tisco سے قریبی رابطہ تھا۔ اس کا مشیر سی پی پیرن (CP. Perin) Tisco کا چیف انجینئر تھا۔ اس کارخانے نے ۱۹۲۳ء میں ۲۸۰۰۰ ٹن سالانہ پیداوار سے آغاز کیا تھا۔

اسٹیل کارپوریشن آف بنگال (SCOB) ۱۹۳۷ء میں رجسٹر ہوئی تھی اور پہلے پہل اس نے ۲۰۰،۰۰۰ ٹن فولاد بنانے کا منصوبہ تیار کیا۔ SCOB نے دوسری عالمی جنگ میں فولاد کا بڑا حصہ فراہم کیا تھا۔ کارخانہ چھوٹا تھا۔ اس کا مقصد ان منڈیوں کو فولاد فراہم کرنا تھا جہاں Tisco نہیں پہونچی تھی۔

۱۹۲۶ء میں قیمت کم ہونے کے باوجود ریلوے نے Tisco کا ٹینڈر منظور نہیں کیا۔ مدراس ریلوے

نے مثلاً ریل کی پٹڑی کی اپنی تمام ضرورت کا ۸۷ فیصد برطانیہ سے خریدا جس کی وجہ یہ تھی کہ Great Indian Peninsula کی رپورٹ کے باوجود جس نے ٹاٹا کی بنی ہوئی پٹڑیوں اور برطانیہ کی بنی ہوئی پٹڑیوں کا مقابلہ کیا تھا اور دونوں میں کوئی زیادہ فرق نہ پایا تھا[۳۴] ریلوے کے افسران نے ٹاٹا کے مال کے متعلق شکوک کا اظہار کیا۔ ۱۹۳۰ء کی دہائی کی سرد بازاری کے دور میں Tisco کی قیمتیں ٹیرف بورڈ کی بتائی ہوئی قیمتوں سے کم تھیں۔ ٹاٹا کی مصنوعات کی فروخت میں بھی ریلوے کے اخراجات میں اچانک تخفیف ہو جانے سے اور حکومت کے مجموعی اخراجات میں کمی آ جانے سے کمی آ گئی۔ Tisco لوہے کے ڈلے خاصی مقدار میں برآمد کر رہی تھی کیونکہ ہندوستان میں لوہے کی ڈلوں کی مانگ بہت کم ہو گئی تھی۔ اسی درمیان کوئلے کی قیمت بھی بہت گر گئی جس کی وجہ سے فولاد کی صنعت کو اپنے منافع میں اضافہ کرنے کا موقع ملا۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں پٹ سن اور کپاس کی صنعت میں تیز رفتار ترقی سے انجینئرنگ کی فرموں کو ترقی حاصل ہوئی۔ انجینئرنگ کی فرموں کے مستقبل کا دارومدار تعمیرات عامہ مثلاً سڑکوں اور پلوں پر تھا۔ ریلوے اپنے کارخانے خود بناتی تھی اور چند انجن بھی بنانے لگی لیکن انجنوں کی بڑی تعداد برطانیہ سے درآمد ہوتی تھی۔ پہلی عالمی جنگ تک انجینئرنگ کی فرموں کو حکومت کی طرف سے کبھی کبھی آرڈر مل جاتے تھے۔ جنگ کے دوران میں حالات بدلے اور انہیں فوج کی طرف سے زیادہ تعداد میں آرڈر ملنے لگے۔

صنعتی مردم شماری بتاتی ہے کہ ۱۹۱۱ء اور ۱۹۲۱ء کے درمیان انجینئرنگ کے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد ۲۳۱۴۷ سے بڑھ کر ۸۲۱۸۲ ہو گئی اور دھات کی صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد ۱۰۴۵۷ سے ۱۶۹۶۹۳ ہو گئی۔ بمبئی میں قائم شدہ انجینئرنگ کی فرمیں کپاس کے کارخانوں کے لئے مشینیں بنانے میں مصروف رہیں جبکہ کلکتے کی فرموں کا انحصار حکومت کے آرڈر بالخصوص ریلوے کے آرڈر پر تھا۔ حکومت نے ہندوستان میں جہاز سازی کے کارخانوں کو کوئی تحفظ نہیں دیا۔ درآمد شدہ جہازوں پر محصول لگانے سے جہاز سازی کی صنعت کی بہت زیادہ امداد نہیں ہو سکتی تھی۔ مزید برآں بہت سے مقامی جہاز جہاں تک ان کی ملکیت اور انتظامیہ کا تعلق تھا برطانیہ کے قابو میں تھے۔ ۱۹۲۱ء میں تقریباً ۹۰ فیصد ساحلی تجارت اور ۹۸ فیصد بیرونی تجارت بیرونی مالکان کے جہازوں سے ہوتی تھی۔[۳۵]

ہندوستان میں سیمنٹ کی صنعت کچھ تاخیر سے شروع ہوئی۔ ہندوستان میں اندرونی طور پر سیمنٹ کی کم کھپت کے باوجود یہ صنعت سیمنٹ کے کئی کارخانوں کو چلانے کے لئے کافی تھی۔ انیسویں صدی کے آخر میں

ہندوستان میں سیمنٹ کے صرف تین بڑے کارخانے تھے جو بمبئی میں قائم تھے مثلاً انڈین سیمنٹ کمپنی لمیٹڈ، کاتنی سیمنٹ لمیٹڈ اور بوندی پورٹ لینڈ سیمنٹ کمپنی لمیٹڈ۔ ان کو مختلف کمپنیاں چلاتی تھیں اور ان کے بہت سے ڈائریکٹر ہندوستانی تھے۔ ۱۹۰۴ء میں ایک سیمنٹ کمپنی ساؤتھ انڈیا انڈسٹریل لمیٹڈ کے نام سے مدراس میں قائم ہوئی جس کی پیداواری استعداد ۱۰،۰۰۰ ٹن سالانہ تھی۔ جنوبی ہندوستان میں سیمنٹ کی مانگ تھوڑی تھی۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد شمالی اور مغربی ہندوستان میں سیمنٹ کی کھپت تیزی سے بڑھی۔ شمالی اور وسطی ہندوستان سیمنٹ کی صنعت کے لئے موزوں تھا کیونکہ ان علاقوں میں خام مال بہت مقدار میں دستیاب تھا۔ بہت سے سرمایہ کاروں نے سیمنٹ کی صنعت میں سرمایہ کاری شروع کی جس کی وجہ سے سیمنٹ کی رسد زیادہ ہو گئی۔ حکومت کی ایک رپورٹ کے مطابق ہندوستان کے سیمنٹ کے کارخانوں کی پیداواری استعداد پہلے ہی ۵۵۰،۰۰۰ ٹن تھی جبکہ ہندوستان کی مجموعی مانگ ۱۹۲۴ء میں ۳۹۰،۰۰۰ ٹن تھی۔[۳۶] یہ ظاہر ہے کہ مسئلہ صرف مانگ کی کمی کا نہ تھا بلکہ پیداواری استعداد زیادہ ہونے کا تھا اور یہ نجی سرمایہ کاروں کے کھپت کے متعلق غلط اندازوں کا نتیجہ تھا۔ ہندوستان میں سیمنٹ کی صنعت کو محصول سے تحفظ نہیں دیا گیا کیونکہ ٹیرف بورڈ نے بیرونی مقابلے کو ایک مسئلہ سمجھنے کی بجائے حد سے زائد اندرونی مقابلے کو سیمنٹ کی صنعت کے لئے ایک مسئلہ سمجھا۔ سیمنٹ کم قیمت میں اور خام مال بہت بڑی مقدار میں دستیاب ہونے کے باوجود ہندوستان دوسرے ممالک سے سیمنٹ درآمد کرتا تھا۔ جیسا کہ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں سیمنٹ کی کھپت ۱۹۲۰ء میں ۲۲۹۹۵۱ ٹن سے بڑھ کر ۱۹۳۰ء میں ۶۹۱۰۰۰ ہو گئی جبکہ سیمنٹ کی تیاری کے لئے درآمد شدہ مشینری کی قیمت اسی دور میں گر گئی۔ ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۵ء کے درمیان ہندوستانی سیمنٹ کی قیمت میں کمی کی وجہ سے سیمنٹ کی مانگ بڑھ گئی۔ اندرونی مقابلہ اور پیداواری استعداد میں اضافہ ہندوستانی سیمنٹ کی قیمت میں کمی کے ذمہ دار تھے۔

## جدول-۷

ہندوستان میں سیمنٹ کی پیداوار، درآمدات اور کھپت ۱۹۱۴ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان (اعداد ٹن میں)

| سال | ہندوستان میں پیداوار | ہندوستان میں سیمنٹ کی مجموعی درآمد | ہندوستان میں سیمنٹ کی مجموعی کھپت |
|---|---|---|---|
| ۱۹۱۴ء | ۹۴۵ | ۱۶۵۷۲۳ | ۱۶۶۶۶۸ |
| ۱۹۱۵ء | ۱۷۹۱۲ | ۱۴۲۴۶۹ | ۱۶۰۳۸۱ |
| ۱۹۱۶ء | ۳۸۶۷۲ | ۹۷۵۴۳ | ۱۳۶۲۱۵ |
| ۱۹۱۸ء | ۸۴۳۴۴ | ۲۷۱۷۷ | ۱۱۱۵۲۱ |
| ۱۹۲۰ء | ۹۱۲۵۳ | ۱۳۸۶۹۸ | ۲۲۹۹۵۱ |
| ۱۹۲۲ء | ۱۵۱۳۳۶ | ۱۳۶۹۲۰ | ۲۸۸۲۵۶ |
| ۱۹۲۴ء | ۲۶۳۷۴۶ | ۱۱۷۹۵۰ | ۳۸۱۶۹۶ |
| ۱۹۲۶ء | ۳۸۸۰۰۰ | ۱۰۶۹۱۶ | ۴۹۵۰۰۰ |
| ۱۹۲۸ء | ۵۵۸۰۰۰ | ۱۳۷۴۲۸ | ۶۹۵۰۰۰ |
| ۱۹۳۰-۱ء | ۵۷۰۰۰۰ | ۱۲۰۵۷۵ | ۶۹۱۰۰۰ |
| ۱۹۳۲-۳ء | ۵۹۲۵۳۱ | ۸۵۴۸۵ | ۶۷۸۰۱۶ |
| ۱۹۳۴-۵ء | ۷۸۰۷۹۴ | ۶۹۱۱۱ | ۸۴۹۹۰۵ |
| ۱۹۳۷-۸ء | ۱۱۶۹۸۹۴ | ۳۱۹۱۶ | ۱۲۰۱۸۱۰ |

ماخذ: The history of Cement Industry in India, Associated Cement Company, 1937.

A.K. Bagchi: Private Investment in India, 1972, P.359.

مزید برآں سیمنٹ کی قیمت میں کمی کی وجہ سے تین سیمنٹ کی کمپنیاں خارج ہو گئیں اور کنکریٹ ایسوسی ایشن آف انڈیا اور سیمنٹ مارکیٹنگ کمپنی آف انڈیا لمیٹڈ کی صورت میں اجارہ داریوں کے قیام کا رجحان پیدا ہوا۔ موخر الذکر سیمنٹ کی تقریباً تمام پیداوار کو فروخت کرنے کی ذمہ دار تھی۔ اس سے قیمتوں میں کسی حد تک استحکام آیا اور سرد بازاری کے دور میں بھی کچھ سیمنٹ کمپنیاں اپنی ساکھ قائم رکھ سکیں۔

۱۹۳۶ء میں سیمنٹ کمپنیوں کو ضم کرنے کی ایک دوسری کوشش کی گئی- نئی قائم شدہ ایسوسی ا-لٹڈ سیمنٹ کمپنیز لمیٹڈ میں مغربی ہندوستان کے ڈائریکٹر اکثریت میں تھے- ۳۵-۱۹۳۴ء میں سیمنٹ کمپنیوں کے منافعے ۱۰ فیصد اور ۲۰ فیصد کے درمیان تھے-[۳۷] لیکن ۱۹۳۸ء میں ڈالمیا جین کے قیام سے سیمنٹ کی اجارہ داریوں کو بڑھتے ہوئے چیلنج کا مقابلہ کرنا پڑا اور سیمنٹ کی قیمت یکدم گر گئی- دوسری عالمی جنگ کے دوران میں سیمنٹ کی صنعت کی تقریباً ۹۰ فیصد پیداوار کو حکومت نے خرید لیا جس کی وجہ سے اس دور میں سیمنٹ کی صنعت میں سرمایہ کاری دوسری صنعتوں کے مقابلے میں نفع بخش رہی-

۱۸۶۰ء کی دہائی تک ہندوستان بغیر صاف کی ہوئی کھانڈ پیدا کر رہا تھا اور برآمد کر رہا تھا- ۱۸۳۹ء سے ۱۸۴۷ء تک ہندوستان برطانیہ کو اس کی کھانڈ کی ضرورت کا ایک چوتھائی فراہم کرتا تھا اور برطانیہ کے لئے ہندوستان سے برآمدات کا سالانہ اوسط ۵۹۳۷۳ ٹن تھا لیکن برطانیہ کی طرف سے ہندوستان سے درآمد ہونے والی کھانڈ پر درآمدی محصول لگ جانے کی وجہ سے برآمد میں رکاوٹ کا اندیشہ پیدا ہوا- بعد میں آزاد تجارت کے اصول پر عمل ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں کھانڈ کی صنعت کو مزید نقصان پہونچا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کھانڈ درآمد کرنے لگا- یہ اس وجہ سے بھی ہوا کہ ویسٹ انڈیز کے غلاموں کی آبادی کے علاقے سے کھانڈ کم قیمت پر برآمد ہوتی تھی حالانکہ ۱۸۵۰ء میں غلامی ختم کر دی گئی تھی اور دوسرے ممالک میں چقندر اور گنے سے شکر بنانے کی صنعتوں میں تیزی سے ترقی ہوئی تھی- مزید برآں شکر بنانے والے بہت سے ملک اپنی شکر کی صنعتوں کو مالی امداد دیتے تھے- ان ممالک میں شکر کی صنعت کی ترقی میں دلچسپی لی جاتی تھی جبکہ ہندوستان میں حکومت شکر کی صنعت کی ترقی میں کوئی دلچسپی نہ رکھتی تھی- شکر کی درآمد میں اضافے کے باوجود کھانڈ (گڑ) کے لئے اندرونی مانگ میں بہت زیادہ کمی نہ آئی- کھانڈ (گڑ) ہندوستان کے لوگ بالعموم بناتے تھے کیونکہ یہ شکر (چینی) سے زیادہ غذائیت بخش خیال کی جاتی تھی- دوسرا اہم سبب جس کی وجہ سے کاشتکار گنے کی کاشت کرتے تھے اور گڑ بناتے تھے گڑ کا ان کے لئے سستا ہونا تھا کیونکہ اس کی تیاری میں سارے گھر والے شریک ہوتے تھے-

سرد بازاری کے دور میں حکومت کو زیادہ مالی ذرائع کی ضرورت پڑی جس کی وجہ سے درآمدی محصول لگانا پڑا اس کے نتیجہ میں چینی کی درآمد شدت سے متاثر ہوئی- چینی کی درآمد ۳۰-۱۹۲۹ء میں ۹۳۳٬۰۰۰ ٹن سے گر کر ۳۲-۱۹۳۱ء میں ۵۱۰٬۰۰۰ ٹن اور ۳۳-۱۹۳۲ء میں ۳۶۶۰۰۰ ٹن رہ گئی-[۳۸] ہندوستان میں گھریلو

استعمال کے لئے چینی کی مانگ نے گنے کی زیر کاشت اراضی میں اضافہ کر دیا۔ دوسری بہت سی اجناس کی قیمت بھی شدت سے کم ہوئی تو کاشتکار گنے کی طرف متوجہ ہوئے جس کی وجہ سے ہندوستان میں گنے کا زیر کاشت رقبہ بڑھ گیا۔ گنے کا زیر کاشت رقبہ ۲۹-۱۹۲۸ء میں ۲.۷ ملین ایکڑ سے بڑھ کر ۳۷-۱۹۳۶ء میں ۴.۶ ملین ایکڑ ہو گیا۔

مشین کے ذریعے سے کاغذ سازی کا پہلا کارخانہ بیلی پیپر مل تھا جو ۱۸۷۰ء میں برطانیہ کے زیر اہتمام قائم ہوا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی ۱۸۸۲ء میں ہندوستانی تاجروں نے لکھنؤ میں ایک کاغذ سازی کا کارخانہ قائم کیا جو ۱۹۱۲ء تک ۴ فیصد اور ۱۰ فیصد کے درمیان سالانہ منافع دیتا رہا۔ ہندوستان میں ہاتھ سے بنے ہوئے کاغذ کی بجائے مشین سے بنے ہوئے کاغذ کے استعمال سے اور خواندگی کی رفتار بڑھنے سے کھپت بڑھنے کی توقع تھی لیکن یہ کارخانہ زیادہ مستعدی سے کام کر کے اور اپنی مصنوعات کو اشتہارات کے ذریعہ فروغ دے کر اپنی پیداواری استعداد نہ بڑھا سکا۔ یہ کاغذ بنانے کے پرانے طریقے استعمال کرنے کی وجہ سے ہوا جس میں گھاس، پٹ سن، کپڑوں کے چیتھڑے اور ردی کاغذ وغیرہ استعمال ہوتا تھا۔ ۱۸۹۰ء کی دہائی میں دوسرے اہم کارخانے بھی بننے شروع ہو گئے مثلاً ٹیٹا گڑھ پیپر ملز اور بنگال پیپر ملز۔ پہلی عالمی جنگ سے قبل ہندوستانی کارخانے اعلیٰ کاغذ بنانے کی بجائے معمولی کاغذ بناتے تھے اور فراہم کرتے تھے۔

۱۹۲۵ء میں انڈین ٹیرف بورڈ کی سفارش پر کاغذ کی صنعت کو تحفظ دیا گیا۔ تحفظ کے حاصل ہونے کے بعد کاغذ کی پیداوار ۱۹۲۴ء میں ۱۶۹۳ ٹن سے بڑھ کر ۱۹۳۲ء میں ۲۶۰۰ ٹن ہو گئی۔ یہ اضافہ پیداواری صلاحیت کے بہتر استعمال سے ہوا نہ کہ کاغذ کی صنعت میں زیادہ کارخانے بن جانے سے۔ بھاپ اور بجلی سے چلنے والے جدید کارخانوں کی وجہ سے کاغذ کی پیداوار اور معیار دونوں بہتر ہوئے۔ کاغذ کے نئے کارخانے مثلاً اورینٹ پیپر ملز برلا نے اور رہتاس پیپر ملز ڈالمیا نے قائم کئے۔ یہ کارخانے بنیادی طور سے خاکی کاغذ بنا رہے تھے۔ میسور پیپر ملز کو حکومت سے امداد ملتی تھی اور بعد میں حکومت نے اس میں کچھ حصے بھی خرید لئے۔ ہندوستان میں گھٹیا قسم کی لکڑی دستیاب تھی اور کاغذ کی صنعت نسبتاً کثیر سرمایہ کاری چاہتی تھی۔ پہلی عالمی جنگ سے قبل یورپ میں کاغذ بنانے کے لئے لکڑی کی لگدی تیار کرنے کی صنعت نے ہندوستان میں کاغذ سازی کی صنعت کو نقصان پہونچایا لیکن محصول سے تحفظ حاصل ہو جانے کے بعد ہندوستان میں کاغذ سازی

کی صنعت کے لئے لکڑی کی لگدی زیادہ استعمال ہونے لگی حالانکہ لکڑی سے لگدی تیار کرنے کا طریقہ یہاں پہلے سے موجود تھا۔ ہندوستان کے کاغذ سازی کے کارخانے کاغذ کی مقامی ضرورت کو بڑے پیمانے پر پورا کرنے لگے لیکن لوگوں میں تعلیم کی کمی اور ان کی قلیل آمدنی کی وجہ سے بہت زیادہ ترقی نہ ہو سکی۔

۱۹۲۰ء کی دہائی میں ہندوستان کے بہت سے کاروباری لوگوں نے شیشے اور ماچس کی فیکٹریاں قائم کیں۔ ان کاروباری لوگوں میں کاروباری صلاحیت کی کمی نہ تھی اور ان میں خطرات کے مقابلہ کرنے کا جذبہ بھی تھا۔ N. Chettiars کی جو مدراس کا ایک کاروباری شخص تھا' ایک اعلیٰ تجارتی ایجنسی تھی اور پورے صوبے میں اس کے قرضے کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ ذخیرہ اندوزی میں اس نے لاکھوں کمائے تھے لیکن محصول سے تحفظ حاصل ہو جانے سے پہلے اس نے جدید صنعتوں میں سرمایہ نہیں لگایا تھا۔ محصول کے نفاذ کے بعد جب بہت سے ہندوستانیوں نے جدید صنعتوں میں سرمایہ لگانا شروع کیا تو ان کی کاروباری جرأت مندی کا آسانی سے اندازہ ہو گیا۔

ہندوستان برطانیہ کی واحد نو آبادی تھا جس کو حکومت کی امداد سے صنعتی ترقی کے حصول کی پالیسی اختیار کرنے سے روکا گیا۔ در آمدات کے خلاف محصولاتی تحفظ کی پالیسی نے کینیڈا' آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ میں صنعتکاری کو فروغ دیا۔ اس پالیسی کے تحت آسٹریلیا اور کینیڈا کی برطانیہ میں در آمدات بالعموم فاضل ہوتی تھیں جبکہ برطانیہ کے ساتھ تجارت میں ہندوستان کی بر آمدات فاضل ہوتی تھیں۔ مزید بر آں سفید فام نو آبادیوں میں جب زیادہ فیکٹریاں بننے لگیں تو یورپ کو سرمایہ کاری کا زیادہ موقع ملا۔ لیکن ہندوستان میں ریلوے کے سوائے یہ صورت حال نہ تھی۔ ہندوستان میں سرمایہ کاری صرف اس سرمائے سے ہوتی تھی جو برطانوی افراد یہاں سے منافعوں اور تنخواہوں کی صورت میں حاصل کرتے تھے۔[۳۹] ہندوستان میں صنعت کاری کا کمزور پہلو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی یورپ کے ہر ملک میں جہاں جدید صنعتیں قائم کی گئیں' صنعتکاری میں مصروف افراد کا تناسب زراعت کے مقابلے میں بڑھ رہا تھا جبکہ ہندوستان میں اس کے برخلاف تھا (دیکھو جدول – ۸)

## جدول-۸

### ۱۹۳۱ء اور ۱۹۵۱ء کے درمیان مزدوروں کی تقسیم کا تناسب

| | ۱۹۳۱ء | ۱۹۵۱ء |
|---|---|---|
| زراعت اور کان کنی | ۷۱.۲ | ۷۳.۰ |
| صنعت | ۱۶.۳ | ۱۳.۰ |
| تجارت | ۶.۰ | ۶.۱ |
| ذرائع نقل و حمل | ۱.۷ | ۲.۰ |
| پبلک فورس اور انتظامیہ | ۱.۲ | ۲.۶ |
| پیشے | ۱.۶ | ۱.۹ |
| گھریلو ملازمتیں | ۲.۰ | ۱.۴ |

ماخذ: V.K.R.V. Rao (1962), Papers on National Incomes & Allied Topics,

Vol.2, Bombay, P.8

پہلی عالمی جنگ سے قبل زیادہ تر صنعتیں کلکتہ، بمبئی اور احمد آباد میں قائم کی گئی تھیں لیکن جنگ کے بعد سیمنٹ کی صنعت کا آغاز ہونے کی وجہ سے صنعتیں دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گئیں۔ اس کے کچھ بعد یو پی اور بہار میں جب چینی کی صنعت قائم ہوئی تو یہ صنعت وسطی ہندوستان میں بھی پہونچ گئی۔ جنگ کے بعد کپاس کے کارخانے ہندوستان کے مختلف علاقوں مثلاً مدراس، کوئمبٹور اور کانپور وغیرہ میں قائم ہوئے۔ وسطی ہندوستان میں سستے داموں مزدوروں کے حاصل ہو جانے اور پن بجلی کی آسانی کے ذریعہ کپاس کی صنعت میں سرمایہ کاری شروع ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں چینی کی صنعت ایک اہم صنعتکاری کی شکل میں ابھری۔ شمالی مغربی ہندوستان میں البتہ سستے داموں کپاس اور دوسری زرعی پیداوار حاصل ہونے کے باوجود صنعتکاری بہت تھوڑی ہوئی۔ کاشتکاروں کی ضرورت کے لحاظ سے کچھ چھوٹی صنعتیں ضرور قائم ہوئیں۔

ہندوستان میں چند صنعتوں کو حالانکہ محصول سے تحفظ دیا گیا مثلاً لوہا، فولاد، چینی، سیمنٹ، کاغذ وغیرہ

لیکن روزانہ استعمال میں آنے والی تمام صنعتوں کو نہیں دیا گیا۔ جنگ کے دوران میں برطانیہ کے ساتھ ہندوستان کے اقتصادی تعلقات بدل رہے تھے لیکن ہندوستان اب بھی برطانیہ کے استعماری مفادات کے تقاضوں کو پورا کر رہا تھا مثلاً ۱۹۲۹ء میں ہندوستان امریکہ کے ساتھ ۱۹ ملین پاؤنڈ کی فاضل تجارت کر رہا تھا جسے برطانیہ امریکہ کے ساتھ اپنی تجارت کے خسارے کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرتا تھا۔

میں نے اس مضمون میں بڑی بڑی صنعتوں پر زور دیا ہے کیونکہ معیشت کے جدید شعبوں کا انہیں پر انحصار ہے۔

جدید صنعتیں محصول سے تحفظ کے سایہ میں پروان چڑھیں اور ان پر زیادہ تر ہندوستان کے سرمایہ داروں کا قبضہ تھا جن کے پاس کافی سرمایہ تو تھا لیکن نئی ٹیکنالوجی کے لئے ان کا انحصار مکمل طور سے یورپ پر تھا۔ تاہم کچھ فرمیں ایسی تھیں جو تحقیق اور نئی ٹیکنالوجی کے میدان میں آزادانہ طور سے سرمایہ کاری کر رہی تھیں لیکن ان کی تعداد تھوڑی تھی مثلاً بنگال کیمیکل اینڈ فارمیسوٹیکل ورکس جسے پی۔ سی۔ رائے (P.C. Roy) نے انیسویں صدی کے اختتام پر ایک اوسط درجہ کی فرم کے طور پر قائم کیا تھا۔ اس فرم کی اپنی تحقیقی تجربہ گاہ تھی اور تحقیق پر معقول رقم خرچ کرتی تھی۔ اس کمپنی نے بہت سی اہم دوائیں تیار کیں جو اندرونی وسائل سے تیار ہوتی تھیں۔ دراصل حصول آزادی سے قبل ہندوستان کی معیشت پسماندہ تھی۔ ہندوستان کے بہت سے دیہاتی علاقوں کے نظام اراضی میں حکومت اور کاشتکاروں کے درمیان بہت سے واسطے تھے۔ مقامی کاروباری لوگ ۱۹۱۴ء کے بعد بہت سی صنعتوں پر قابض ہو گئے تھے لیکن بہت سی صنعتیں اب بھی بیرونی سرمایہ داروں کے قابو میں تھیں مثلاً ڈنلپ (Dunlop)، جنرل موٹر (General Motor)، یونیلیور (Unilever)، آئی۔ سی۔ آئی (I.C.I.) اور بہت سی بیرونی کمپنیاں جنھوں نے ہندوستان میں اپنی شاخیں کھول رکھی تھیں۔

پوری انیسویں صدی کے دوران میں اور ۱۹۴۰ء کی دہائی تک ہندوستان کی برآمدات درآمدات سے زیادہ تھیں۔ ہندوستان کے محض ایک زرعی ملک کی حیثیت میں رہ جانے کے بعد بھی اس کے سرمایہ کا ایک بڑا حصہ اس کی جامد اور زوال پذیر زراعت سے باہر منتقل کیا جاتا رہا۔ جدول۔ ۹، ۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۰ء تک ہندوستان کی تجارت کی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد ہندوستان کی تجارت کی فاضل مقدار اس کی معیشت کے بڑھتے ہوئے ضعف کی وجہ سے گھٹنے لگی۔ لیکن پھر بھی نوآبادیاتی حکومت نے درآمدات

اور برآمدات میں پوری طرح توازن قائم رکھا۔ درآمدات اور برآمدات میں اس امید افزا توازن کا مطلب خوشحالی میں اضافہ نہ تھا بلکہ وافر برآمدات کو برطانوی معیشت کی خوشحالی کے لئے لگاتار استعمال کیا جاتا رہا۔ ہندوستان سے برآمدات کا تقریباً ۸۰ فیصد حصہ خام مال اور زرعی اجناس پر مشتمل ہوتا تھا۔ زرعی شعبہ سے فاضل مقدار کا اس طرح منتقل کیا جانا زرعی اجناس کی برآمدات سے کاشتکاروں کو فائدہ پہونچانے کی بجائے کاشتکاروں کے افلاس اور قحط کا سبب بنا۔ مزید برآں ہندوستانی برآمدات کا تقریباً ۷۰ فیصد حصہ سلطنت برطانیہ سے باہر ملکوں میں جاتا تھا جبکہ ہندوستانی درآمدات کا ۷۵ فیصد حصہ برطانیہ سے آتا تھا۔

## جدول۔ ۹

۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۰ء تک اجناس میں بیرونی تجارت (لاکھ روپیوں میں)

| سال | درآمدات | برآمدات | فاضل برآمدات |
|---|---|---|---|
| ۱۹۰۱–۵ء | ۸۳۶.۲ | ۱۳۱۰.۱ | ۴۷۳.۹ |
| ۱۹۱۱–۱۴ء | ۱۵۳۰.۵ | ۲۲۸۳.۰ | ۷۵۲.۵ |
| ۱۹۲۰–۲۴ء | ۲۵۴۰.۴ | ۲۸۶۳.۴ | ۳۲۳.۰ |
| ۱۹۳۶–۴۰ء | ۱۵۰۲.۲ | ۱۸۰۸.۵ | ۳۰۶.۳ |

ماخذ: H. Venkatasubbiah, The Foreign Trade of India, 1940, New Delhi, pp.28-29.

حقیقتاً ہندوستان میں خالص بیرونی سرمایہ کاری بہت تھوڑی ہوتی تھی اور بھاری صنعتوں کے شعبہ میں تو خاص طور سے بہت کم ہوتی تھی۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں بیرونی سرمایہ جو قرضوں کی شکل میں آتا تھا زیادہ تر ادائیگیوں کے خسارے کو پورا کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا جو برطانوی حکومت کے انتظامی اخراجات (Home Charges) ادا کرنے کے لئے یکطرفہ طور پر برطانیہ منتقل کرنے سے پیدا ہوتا تھا۔ دراصل کرنٹ اکاؤنٹ پر سود کی شکل میں سرمائے کے بیرونی بہاؤ کا مقابلہ اگر ان منافعوں اور ہندوستان پر برطانوی حکومت کے اخراجات کے لئے کیپٹل اکاؤنٹ پر بیرونی قرضوں کی درآمد سے کیا جائے تو محسوس ہو گا کہ اس پورے کے پورے نوآبادیاتی دور میں ہندوستان سے سرمایہ کا بیرونی بہاؤ جاری رہا۔

اقتصادی شعبہ میں ۱۹۲۰ء سے پہلے یوروپین سرمایہ ہی کے بل بوتے پر بہت سے ادارے چلتے تھے لیکن بعد میں ہندوستانی کاروباری لوگ بھی شامل ہو گئے مثلاً ۱۹۱۴ء میں ہندوستان کا ۷۰ فیصد سرمایہ بیرونی بینکوں میں جمع ہوتا تھا لیکن ۱۹۳۷ء تک یہ کم ہو کر ۵۷ فیصد رہ گیا۔[۴۰] ہندوستانیوں کی ملکیت میں پہلا جدید مالیاتی ادارہ بیسویں صدی میں قائم ہوا مثلاً بنک آف بروڈا ۱۹۰۸ء میں، بنک آف انڈیا ۱۹۰۶ء میں اور سنٹرل بینک آف انڈیا ۱۹۱۱ء میں قائم ہوئے۔ ۱۹۱۴ء تک ۱۸ ہندوستانی بینک چلنے شروع ہو گئے جن میں ہر ایک کا سرمایہ نصف ملین روپیہ سے زائد تھا۔ ان بینکوں کا مجموعی سرمایہ اور ریزرو ۵ ملین روپیہ سے زیادہ ہوتا تھا اور ان کی جمع شدہ رقمیں (Deposits) ۱۵.۱ ملین روپیہ تھیں لیکن یہ بینک پھر بھی اپنے سرمائے کے اعتبار سے برطانوی بینکوں سے چھوٹے تھے اور زیادہ تر تجارت میں سرمایہ کاری کرتے تھے۔ اس طرح ابھی تک کوئی ہندوستانی بینک صنعتی ترقی کے لئے لمبی مدت کے لئے قرضہ دینے کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔

صنعتی شعبہ میں ہندوستانی سرمایہ دراصل ۱۹۲۵ء میں بڑھا۔ لیکن پھر بھی قومی معیشت کے بہت سے شعبوں میں بیرونی سرمایہ غالب رہا۔ مثلاً بیرونی سرمائے کو بیرونی تجارت، ذرائع آمدورفت، مالیات اور قرضوں کے شعبوں میں اجارہ داری حاصل تھی۔ ۲۶-۱۹۲۵ء میں ۸۱۹ بیرونی فرمیں تھیں۔ جن کی بیشتر تعداد برطانوی تھی جن کا مجموعی سرمایہ ۴.۷ ملین روپیہ ہوتا تھا اور ہندوستانی فرموں کا سرمایہ ۷.۲ ملین روپیہ ہوتا تھا۔[۴۱] یہ اعداد و شمار بیرونی سرمایہ کاری کے غلبے کو صاف ظاہر کرتے ہیں لیکن حالات تبدیل ہو رہے تھے اور ۱۹۳۰ء کی دہائی کی اقتصادی سرد بازاری اور دوسری عالمی جنگ نے جدید صنعتکاری کے شعبہ میں ہندوستانی سرمایہ داروں کے ہاتھوں کو مضبوط کر دیا۔

تاہم برطانوی سرمایہ داروں نے ہندوستان میں اینگلو انڈین کمپنیوں کو قائم کیا۔ حصول آزادی کی جدوجہد کے تیز تر ہو جانے کے نتیجہ میں یہ عمل شروع ہوا۔ ۱۹۲۷ء میں روپیہ کے تبادلہ کا نرخ بیرونی کرنسیوں کے مقابلہ میں بڑھ گیا جس نے ہندوستانی مال کی مسابقتی حیثیت کو نقصان پہونچایا اور بیرونی مال کی حیثیت کو جو ہندوستان میں درآمد کیا جا رہا تھا، مستحکم کر دیا۔ اس سے بہت سی ہندوستانی صنعتیں دیوالیہ ہو گئیں اور ۱۹۲۹ء میں ہندوستان کی صنعتی ترقی مدھم پڑ گئی۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی کے درمیانی حصہ کی صنعتی ترقی بہت عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ سرد بازاری کے دور میں ہندوستانی معیشت کو بھی دھکا لگا۔ زرعی برآمدات کی قیمتیں جن سے ہندوستان زرمبادلہ کماتا تھا، بیرونی مصنوعات کے مقابلہ میں جو ہندوستان درآمد کرتا تھا بہت نیچے گر گئیں۔

کینیڈا اور آسٹریلیا میں جیسے جیسے صنعتی ترقی ہوئی تو بیرونی سرمایہ کے لئے ان ممالک میں زیادہ کشش پیدا ہوئی جبکہ ہندوستان میں جو سرمایہ کاری ہوتی تھی وہ منافعوں سے یا ہندوستان میں برطانوی ملازمین کی تنخواہوں سے ہوتی تھی۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد بھی سرمایہ کاری کے لئے ہندوستانی سرمایہ داروں کی جرأت مندی کی حوصلہ افزائی نہ کی گئی اور نہ ہی مالی آسانیاں فراہم کی گئیں۔ برطانوی سرمایہ کار ہندوستان میں سرمایہ کاری کے لئے آمادہ تھے لیکن برطانوی صنعتکاروں کی دلچسپی یہ تھی کہ وہ ہندوستان کو اپنی مصنوعات کی کھپت کے لئے محفوظ کر لیں۔ برطانوی صنعتکار کیونکہ اب بھی حکومت پر مضبوط اثر رکھتے تھے لہذا ہندوستانی حکومت کو ہندوستان میں جدید صنعتوں کی ترقی کے لئے عدم مداخلت کی پالیسی اختیار کرنا پڑی۔ نتیجتاً حکومت کے لئے قرضے، کان کنی، بیرونی تجارت، بینکنگ، ریلوے وغیرہ کے شعبوں میں بیرونی سرمایہ کاری کے لئے مواقع پیدا ہوئے۔ ان شعبوں میں سرمایہ کاری سے برطانوی سرمایہ کاروں کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ برخلاف اس کے انہیں ہندوستانی منڈیوں میں رسائی حاصل کرنے میں آسانی ہو گئی۔ تخمینے کے مطابق ۱۹۰۹ء میں ۳۶۵ ملین پاؤنڈ کی مجموعی برطانوی سرمایہ کاری میں صرف ۲.۵ ملین پاؤنڈ کی سرمایہ کاری ہندوستان کے تجارتی اور صنعتی شعبوں میں کی گئی اور جدید صنعتی ترقی میں تو اس سرمایہ کاری کا بہت تھوڑا حصہ تھا۔[۴۲]

## اندرونی منڈیوں کی توسیع میں رکاوٹیں

ہندوستان میں جدید صنعتوں میں ترقی نہ ہونے کا دوسرا سبب زرعی شعبہ میں پیداوار کا کم ہونا تھا۔ چند جدید صنعتوں میں ترقی کے باوجود زرعی شعبہ میں جمود تھا اور ۱۹۰۰ء اور ۱۹۴۵ء کے درمیان اشیائے خوردنی کی پیداوار گر گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کی مالی حالت جن کی روزی کا دارومدار زراعت پر تھا، بہتر نہ ہوئی۔ اسی درمیان میں آبادی بڑھتی رہی اور زرعی پیداوار گھٹتی رہی، نتیجتاً فی کس اشیائے خوردنی کی پیداوار میں کمی آئی۔ ۲۱-۱۹۲۰ء میں قومی آمدنی میں صنعتکاری کے شعبہ کا حصہ صرف ۸ فیصد تھا اور اس سے قبل یہ ۴ فیصد اور ۷ فیصد کے درمیان رہ چکا تھا۔

## جدول-۱۰

### ہندوستان مختلف فصلوں کی فی ایکڑ پیداوار
### (۱۹۳۸-۳۹ء میں قیمتیں فی ایکڑ روپیوں میں)

| اس مدت میں سالانہ اوسط | چاول | کپاس | گنا | گیہوں | جوار | پٹ سن |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱- ۱۹۰۰-۱ء سے ۱۹۰۴-۵ء تک | ۴۲.۴۹ | ۱۵.۰۴ | ۱۳۷.۳۳ | ۲۲.۹۲ | ۱۱.۹۷ | ۸۳.۲۶ |
| ۶- ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۹-۱۰ء تک | ۳۷.۶۴ | ۱۴.۶۴ | ۱۳۲.۳۰ | ۲۲.۴۵ | ۱۶.۶۱ | ۶۸.۳۰ |
| ۱۱- ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۴-۱۵ء تک | ۴۰.۴۸ | ۱۴.۶۲ | ۱۵۲.۶۵ | ۲۳.۹۸ | ۱۷.۰۵ | ۸۱.۸۴ |
| ۱۶- ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۹-۲۰ء تک | ۳۹.۷۶ | ۱۵.۷۹ | ۱۶۳.۸۱ | ۲۳.۲۲ | ۲۷.۸۳ | ۸۴.۱۰ |
| ۲۱- ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۴-۲۵ء تک | ۳۷.۴۴ | ۱۸.۴۲ | ۱۶۲.۶۴ | ۲۳.۱۸ | ۲۲.۲۰ | ۷۶.۷۶ |
| ۲۶- ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۹-۳۰ء تک | ۳۶.۹۱ | ۱۸.۱۸ | ۱۶۶.۰۱ | ۲۱.۵۶ | ۱۳.۸۹ | ۸۴.۴۷ |
| ۳۱- ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۴-۳۵ء تک | ۳۷.۶۵ | ۱۷.۰۳ | ۲۰۷.۰۳ | ۲۱.۱۱ | ۱۳.۳۷ | ۸۷.۳۴ |
| ۳۶- ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹-۴۰ء تک | ۳۵.۰۸ | ۱۹.۲۸ | ۲۰۲.۶۹ | ۲۴.۴۵ | ۱۳.۵۳ | ۸۱.۴۱ |

ماخذ: A.K. Bagchi (1972) Private Investment in India, P.96.

زرعی اراضی کے زمینداروں‘ تاجروں اور مہاجنوں کے ہاتھوں میں ارتکاز کے عمل میں اضافہ ہوا جبکہ اراضی میں کاشتکاروں کے حقوق کم ہوتے چلے گئے۔ صنعتوں میں سست اور ناہموار ترقی جو کہ جنگ کے بعد بھی جاری رہی صنعتی اداروں میں روزگار کے مواقع بہت بڑی تعداد میں پیدا نہ کر سکی جس کے نتیجہ میں زراعت پر انحصار بڑھتا چلا گیا (دیکھو جدول- ۱۱) جدول- ۱۱ جو کہ مردم شماری کی مختلف رپورٹوں کے اعداد و شمار سے تیار کیا گیا ہے- ۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۱ء تک ہندوستان میں پیشہ ورانہ ڈھانچے کی بدلتی ہوئی صورت حال کا تقابلی جائزہ پیش کرتا ہے- یہ بات اہم ہے کہ مختلف شعبوں میں کام کرنے والوں کی تعداد تین دہائیوں میں بہت کم بدلی-

## جدول-۱۱

## مزدوروں کی تقسیم (آبادی ملین میں)

| | ۱۹۰۱ء | ٪ | ۱۹۱۱ء | ٪ | ۱۹۲۱ء | ٪ | ۱۹۳۱ء | ٪ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| زراعت، جنگلات اور ماہی گیری | ۶۴.۱ | ۶۸ | ۷۰.۲ | ۷۲ | ۶۹.۶ | ۷۳ | ۷۲.۱ | ۷۲ |
| عام مزدوری | ۵.۳ | ۶ | ۲.۶ | ۳ | ۲.۸ | ۳ | ۳.۷ | ۴ |
| صنعت، کان کنی اور تعمیر | ۹.۹ | ۱۱ | ۹.۶ | ۱۰ | ۸.۹ | ۹ | ۹.۱ | ۹ |
| تجارت | ۵.۰ | ۵ | ۵.۴ | ۵ | ۵.۵ | ۶ | ۵.۶ | ۶ |
| ذرائع نقل و حمل و دیگر ملازمتیں | ۹.۰ | ۱۰ | ۹.۳ | ۱۰ | ۸.۷ | ۹ | ۹.۵ | ۹ |

ماخذ: Census of India: 1901, Vol.I, part 2, table xv, 1911, Vol.I, part 2, table xv; 1921, Vol.I, table xvii; 1931, Vol.I, part 2, table x.

## جدول-۱۲

## دیہی گنجان آبادی میں متناسب ترقی

| سال | مجموعی آبادی ملین میں | دیہی آبادی ملین میں | مجموعی آبادی میں فیصد اضافہ | دیہی آبادی میں فیصد اضافہ | تندرست افراد کی فیصد آبادی جن کا انحصار زراعت پر ہو |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱۸۹۱ء | ۲۸۷ | ۱۷۵ | – | – | ۶۱ |
| ۱۹۰۱ء | ۲۸۴ | ۱۹۵ | ۵ | ۷ | ۶۶ |
| ۱۹۱۱ء | ۳۱۵ | ۲۲۴ | ۷.۱ | ۹ | ۷۱ |
| ۱۹۲۱ء | ۳۱۹ | ۲۳۳ | ۱.۲ | ۳ | ۷۳ |
| ۱۹۳۱ء | ۳۵۲ | ۳۱۴ | ۱۰.۶ | ۹.۶ | ۶۶ |

ماخذ: Census of India, Vol.I, Calcutta, 1932-33.

یورپین آبادکاروں نے بہار اور بنگال میں کاشتکاروں کو تجارتی معاملات میں شریک کار سمجھنے کی بجائے مفتوحہ قوم سمجھا جن پر تجارت کے عام اصول لاگو نہیں ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ ۱۸۶۱ء کے انڈیگو کمیشن نے تسلیم کیا تھا کہ نیل کی کاشت کاشتکاروں کے لئے مفید نہیں۔ نیل کی کاشت کاشتکاروں کی اکثریت کے لئے افلاس اور فاقہ کشی کا سبب بنی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کے دباؤ اور طاقت کی ضرورت پڑی تاکہ کاشتکاروں کو نیل کی کاشت کے لئے اپنی محنت اور زمین دونوں کو استعمال کرنے پر مجبور کیا جائے۔ آبادکاروں کو حکومت کی پوری حمایت حاصل تھی جبکہ کاشتکاروں کو بھوک کے ہاتھوں مرنے کی نوبت آگئی۔[۴۳] ان پیداواری حالات میں نیل کی برآمدات میں ایک نمایاں مقام حاصل ہو گیا اور وہ نذرانے یا باج کی رقوم اور اپنی تمام آمدنیوں کو برطانیہ منتقل کرنے کا خاص ذریعہ بن گیا۔ ان آبادکاروں کو نیل کی کاشت کے لئے نہ صرف کاشتکاروں کی زمین بلکہ ان کی محنت کی بھی ضرورت تھی۔ نیل کی فیکٹریاں محنت کا معقول معاوضہ بھی نہیں دیتی تھیں اور مزدوروں کو ہر طرح ان آبادکاروں کے لئے کام کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔[۴۴] نیل کی کاشت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں یورپین کاروبار آزاد مقابلے کی بجائے جبر پر مبنی تھا۔ لہٰذا ہندوستان میں زراعت کو تجارتی بنیادوں پر چلانے سے زمین اور محنت میں کھلی خرید و فروخت کی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔ بلکہ کاشتکار آبادکاروں اور مہاجنوں کے اور زیادہ دست نگر بن گئے۔

بعد میں ذرائع آبپاشی میں حکومت کی سرمایہ کاری کے ذریعہ (جو صرف پنجاب اور مدراس تک محدود تھی) برآمدات کے قابل اشیائے خوردنی کے فاضل حصے اور قابل تجارت فصلوں میں اضافہ ہوا۔ زراعت میں اس نئی تبدیلی نے کاشتکاروں کو بری طرح متاثر کیا اور انہیں مہاجنوں اور بڑے زمینداروں کا اور زیادہ محتاج بنا دیا۔ نہروں سے پانی حاصل کرنے کے لئے ادائیگی نقد میں ہوتی تھی اور لگان بھی بڑھ گئے تھے کیونکہ اوسط پیداوار میں اضافہ کی توقع نے کاشت میں تبدیلی (زیادہ پیداوار دینے والی اجناس کی کاشت) کا رجحان پیدا کر دیا تھا۔ غریب کسان کے لئے اشیائے خوردنی پیدا کرنے والی فصلوں مثلاً باجرہ، جوار اور دالوں کی کاشت کم ہونے لگی اور قابل تجارت اجناس مثلاً نیل، کپاس، گنا، گیہوں وغیرہ کی کاشت زیادہ ہونے لگی۔ آبپاشی کے لئے پانی کے تسلی بخش نکاس کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے نہریں سیم اور تھور کا سبب بن گئیں جس کی وجہ سے سینکڑوں اور ہزاروں ایکڑ زمینیں بنجر ہو گئیں۔

دیہات میں طبقاتی تقسیم بڑھی۔ ۱۹۲۱ء میں ہندوستان میں ۳.۷ ملین مہاجن تھے۔ یہ طفیلی مہاجن جو

معاشرے پر بوجھ تھے' زیادہ تر کاشتکاری میں براہ راست عمل دخل نہ رکھتے تھے اور نہ انہوں نے اپنے لئے بڑی بڑی جائیدادیں اور جاگیریں بنا لی تھیں۔ وہ اپنی جمع شدہ پونجی کے ذریعہ اپنے مہاجنی کاروبار کو بڑھاتے تھے اور اپنے نیم جاگیردارانہ سودی کاروبار کے ذریعہ غریب کسانوں کا خون چوستے تھے۔ کسانوں کی بڑی تعداد میں غربت عمومی طور پر زمین کی کمیابی کی وجہ سے نہ تھی جیسا کہ بہت سے ماہر معاشیات کا خیال ہے بلکہ جاگیردارانہ اور نو آبادیاتی استحصال کی وجہ سے تھی۔ مہاجنی کاروبار ہندوستان میں برطانوی دور سے پہلے بھی موجود تھا لیکن دیہاتی علاقوں میں اتنے بڑے پیمانے پر نہیں تھا۔ اتنے بڑے پیمانے پر سودی کاروبار ہندوستان پر نو آبادیاتی تسلط کے بعد ہی بڑھا۔

کاشتکاروں پر مہاجنوں کے قرضے کی مجموعی رقم کثیر سرد بازاری کے دور میں تیزی سے بڑھتی رہی اور ۱۹۳۲ء تک ۲۲ ملین روپیہ ہو گئی۔ تقریباً ۸۰ فیصد کاشتکار مہاجنوں کے مقروض تھے۔ دیہاتی علاقوں میں بے زمین مزدوروں کی تعداد تیزی سے بڑھی مثلاً ۱۸۴۲ء میں سر تھامس منرو نے جو مردم شماری کے کمشنر تھے' بتایا کہ ہندوستان میں بے زمین کاشتکار نہیں ہوتے۔ یہ قطعی طور سے درست نہ سہی لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بے زمین کاشتکاروں کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی کہ ان کو درج کیا جاتا۔ ہندوستان کے نو آبادی بن جانے کے کچھ سالوں کے بعد ۱۸۸۲ء میں بے زمین لوگوں کی تعداد ۷.۵ ملین ہو گئی۔ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد ۲۱ ملین ہو گئی یعنی زراعت کرنے والے افراد کا پانچواں حصہ۔ بے زمین کاشتکاروں کی تعداد اور بڑھی اور ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد ۳۳ ملین ہو گئی یعنی زراعت کرنے والے افراد کا تیسرا حصہ۔ بعض علاقوں میں ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی۔ مثلاً ۱۹۳۹ء میں شمالی بہار کے ایک گاؤں کھیرہار کے حالات معلوم کرنے پر یہ ظاہر ہوا کہ اس گاؤں میں سب سے زیادہ تعداد بے زمین مزدوروں کی ہے جو ۶۰۷ گھرانوں پر مشتمل ہیں جن میں ۵۰۲۳ افراد ہیں جو گاؤں کی آبادی کا ۲۷ فیصد ہیں۔[۴۵]

دراصل بہت سے چھوٹے کاشتکاروں کی حالت جو ذیلی کاشتکاروں کے چھوٹے قطعے غیرمفید پٹوں پر کاشت کرتے تھے۔ زرعی مزدوروں سے بہتر نہ تھی اسی لئے دونوں کی حالت میں فرق کرنا بہت دشوار تھا۔ جیسا کہ مدراس بینکنگ انکوائری کمیٹی کی رپورٹ میں درج ہے۔ "ہم نے محسوس کیا ہے کہ زرعی مزدوروں سے کاشت کرانے اور ذیلی پٹہ پر زمین کاشت کرانے میں فرق واضح کرنا بہت مشکل ہے۔ ذیلی پٹہ سے شاذ و

نادر ہی نقد لگان وصول ہوتا ہے۔ ذیلی پٹہ عام طور سے بٹائی پر ہوتا ہے جس میں زمیندار کو پیداوار کا ۴۰ سے ۶۰ فیصد یا ۸۰ فیصد تک بھی ملتا ہے اور بقیہ پٹہ دار کا ہوتا ہے۔ پٹہ دار سال بہ سال پٹہ حاصل کرتا رہتا ہے اور غیر محفوظ انداز میں تنگی ترشی سے زندگی بسر کرتا ہے۔ زمیندار سے قرض لیتا ہے جو اسے بیج اور ہل بیل بھی دیتا ہے۔ دوسری طرف زرعی مزدور زمیندار سے بیج اور ہل بیل لیتا ہے اور اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً زمیندار سے پیشگی بھی لے لیتا ہے۔ فصل کٹنے کے وقت غلہ کی مقررہ مقدار اسے یکمشت دیدی جاتی ہے یا فصل کا کوئی حصہ اسے دے دیا جاتا ہے۔ بعض حالات میں اسے تھوڑی سی رقم نقد اور غلہ کی مقررہ مقدار دونوں دے دیئے جاتے ہیں۔ قرض لینے کی بجائے یہ کاشتکار اپنے ہل اور بیل سے بھی کاشت کر سکتا ہے۔ غرضیکہ عملی طور پر دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ جب زمیندار خود غیر حاضر رہتا ہے تو یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کاشتکار زرعی مزدور ہے یا ذیلی پٹہ دار۔"[۴۶]

دیہاتی علاقوں میں مہاجنی اور سودی کاروبار اتنے وسیع پیمانے پر اس وجہ سے پھیلا کہ لگان کی رقم ناقابل برداشت ہوتی تھی اور سرمایہ اور زمین چند ہاتھوں میں مرکوز تھے۔ ہندوستان میں صنعتکاری کے خلاف نو آبادیاتی پالیسی نے کاروباری افراد کو مجبور کر دیا کہ وہ محنت کش کسانوں کو تجارتی اور سودی شکنجہ میں جکڑ کر ان کا استحصال کریں۔ جاگیرداروں اور تاجروں کے ہاتھوں زمین اور سرمایہ سے محروم ہو کر کاشتکار صرف فصل میں حصہ دار بن کر رہ گئے اور جس زمین کو وہ کاشت کرتے تھے اس میں ان کا کوئی حق نہ رہا۔

جہاں تک اشیائے خوردنی پیدا کرنے والی فصلوں کا تعلق ہے' زراعت میں ترقی منفی بنیادوں پر ہوتی تھی یعنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اسی زمانہ میں ہندوستان کی آبادی ۱۸۹۱ء میں ۲۷۹.۴ ملین سے بڑھ کر ۱۹۴۱ء میں ۳۸۸ ملین ہو گئی جبکہ Blyn کے حساب سے خوراک کی پیداوار ۹۴-۱۸۹۳ میں ۷۳.۹ ملین ٹن سے گھٹ کر ۴۶-۱۹۴۵ء میں ۶۹.۳ ملین ٹن رہ گئی تاہم اسی زمانہ میں ان فصلوں کی پیداوار میں اضافہ ہوا جن کا تعلق اشیائے خوردنی سے نہ تھا مثلاً ۱۸۹۳ء اور ۱۹۴۶ء کے درمیان ان فصلوں کی پیداوار کی مقدار تقریباً دگنی ہو گئی۔ یہ فصلیں تجارت میں کام آنے والی تھیں اور اس خام مال سے متعلق تھیں جسے برآمد کر کے بیرونی زرمبادلہ کمایا جاتا تھا اور دوسرے ممالک کے ساتھ برطانیہ کے تجارتی خسارے پر قابو پایا جاتا تھا۔ خام کپاس کی برآمد ۰۲-۱۹۰۱ء میں ۱۷۸۰۰۰ ٹن سے بڑھ کر ۳۷-۱۹۳۶ء میں ۷۶۲۱۳۳ ٹن ہو گئی۔ جیسا کہ جدول۔ ۱۳ سے ظاہر ہے۔ اشیائے خوردنی نہ پیدا کرنے والی فصلوں کی پیداوار میں اضافہ کے باوجود تمام فصلوں کی

پیداوار میں خاصی کمی آئی حتیٰ کہ زراعت کے لئے قائم شدہ رائل کمیشن نے بھی ہندوستانی کاشتکاروں کی زبوں حالی کا ذکر کیا "زمین پر انحصار کرنے والوں کا ہجوم' روزی کمانے کے لئے متبادل ذرائع کا نہ ہونا یا ان مسائل سے نجات حاصل کرنے میں مشکلات پیش آنے کی وجہ سے کاشتکار مجبور ہو جاتا تھا کہ وہ جس وقت اور جن داموں پر خوراک پیدا کر سکے' کرے۔"[۴۷]

## جدول-۱۳

### اشیائے خوردنی پیدا کرنے والی فصلوں اور نہ پیدا کرنے والی فصلوں کی سالانہ فی کس اوسط پیداوار کا تخمینہ ۹۴-۱۸۹۳ء سے لے کر ۴۶-۱۹۴۵ء تک

| سال | پیداواری اشاریہ فی کس اکائیوں میں<br>اشیائے خوردنی پیدا کرنے والی فصل | تمام فصلیں | اشیائے خوردنی پیدا کرنے والی فصلوں کی فی کس<br>پیداوار پاؤنڈ میں |
|---|---|---|---|
| ۹۴-۱۸۹۳ء سے ۹۶-۱۸۹۵ء تک | ۱۰۰ | ۱۰۰ | ۵۸۷ |
| ۹۷-۱۸۹۶ء سے ۰۶-۱۹۰۵ء تک | ۹۵ | ۹۷ | ۵۶۰ |
| ۰۷-۱۹۰۶ء سے ۱۶-۱۹۱۵ء تک | ۹۱ | ۹۷ | ۵۴۷ |
| ۱۷-۱۹۱۶ء سے ۲۶-۱۹۲۵ء تک | ۹۰ | ۹۸ | ۵۳۸ |
| ۲۷-۱۹۲۶ء سے ۳۶-۱۹۳۵ء تک | ۷۸ | ۹۰ | ۴۶۱ |
| ۳۷-۱۹۳۶ء سے ۴۶-۱۹۴۵ء تک | ۶۸ | ۸۰ | ۳۹۹ |

ماخذ: George Blyn, Agricultural Trends in India, 1893-1947, P.117

## اختتامیہ

در آمدی محصول عاید کرنے کا مقصد برطانوی مصنوعات کو منڈیوں میں آنے سے اتنا روکنا نہ تھا جتنا دوسرے ممالک کی مصنوعات کو۔ جیسا ۱۹۳۰ء میں جیوفری کوربیٹ نے امپیریل اکنامکس کانفرنس میں بیان کیا "میں نے پہلے واضح کر دیا ہے کہ ہندوستانی منڈیوں میں برطانوی مال کی بجائے دوسرے ممالک کا مال آ رہا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ بیرونی مالک کی درآمد کے خلاف ہندوستانی صنعتوں کو زیادہ تر تحفظ کی ضرورت ہے۔

کچھ شعبوں میں برطانوی مال اور ہندوستانی مال میں کوئی مقابلہ نہیں اور کچھ شعبوں میں جتنا تحفظ ملنا چاہئے اس سے بہت کم ملا ہے۔ فولاد کی صنعت اور سوتی کپڑے کی صنعت کو تحفظ دینے کی غرض سے ہم نے اس فرق کو تسلیم کرلیا ہے اور اسی لئے ہم نے برطانوی اور بیرونی مال پر امتیازی محصول عاید کئے ہیں۔"[۴۸]

دراصل ہندوستان میں سرمایہ داری کا رجحان نو آبادیاتی تسلط کے دور میں بڑھا جس سے اس کی تشکیل متاثر ہوئی۔ ہندوستان کے بڑھتے ہوئے متوسط طبقے نے کاشتکاروں اور مزدوروں کا استحصال کرتے ہوئے اور نو آبادیاتی خراج کے کچھ حصہ کو اپنے تصرف میں لاکر سرمایہ جمع کیا۔ بعد میں بڑھتی ہوئی برطانوی صنعتوں کو جب زرعی خام مال کی اور زیادہ ضرورت پڑی تو برطانوی صنعتکاروں کو اس خام مال پر مزید انحصار کرنا پڑا اور وہ ہندوستان کے کاروباری لوگوں کے ساتھ مل کر کاروبار کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس عمل میں ان کاروباری لوگوں نے دلال کا کام کیا اور کثیر منافعے حاصل کئے۔

میں پہلے ہی ہندوستان میں صنعتی شعبہ کی ترقی کا جائزہ لے چکا ہوں جو کپاس کے کارخانوں کے قیام کے ساتھ شروع ہوئی۔ ہندوستان میں صنعتیں اس وقت قائم ہونا شروع ہوئیں جب برطانیہ اور دوسرے یوروپین ممالک اپنی صنعتوں اور ٹیکنالوجی کو پہلے ہی ترقی دے چکے تھے۔ للہذا ہندوستان کو مجبوراً اس سرمایہ دارانہ نظام میں شامل ہونا پڑا۔

وہ حالات جن میں جدید صنعتیں ہندوستان میں قائم ہوئیں ان طریقوں سے مختلف تھے جن کے ذریعہ برطانیہ میں صنعتوں کو ترقی حاصل ہوئی۔ اہم فرق ہندوستان کا نو آبادی ہونا تھا جہاں نو آبادیاتی نظام کے مسلط ہونے کے بعد دستکاری کی مصنوعات تباہ ہو گئیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دستکار مکمل طور سے ان مہاجنوں اور تاجروں کے رحم و کرم پر رہ گئے جو بعد میں ان جدید صنعتوں کے مالک بن گئے۔ یہ نئی صنعتیں اس ٹیکنالوجی کی مدد سے قائم کی گئی تھیں جو برطانیہ سے برآمد کی گئی تھی۔ ہندوستان کو اپنی انجینئرنگ کی صنعتیں بھی لگانے کی اجازت نہیں دی گئی اور ہندوستانیوں کو انجینئر بننے سے بھی روکا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی صنعتکاروں کو مسترد شدہ ٹیکنالوجی خریدنی پڑی اور مشینوں کے ماہرین کو یورپ سے درآمد کرنا پڑا۔ اکثر ہندوستانیوں کا مخصوص پیشہ زراعت تھا جہاں ٹیکنالوجی نہایت فرسودہ تھی۔ ایسے حالات میں نسبتاً فاضل پیداوار کا ہونا بعید مشکل تھا۔ قدر زائد کو بڑھانا جو کاشتکار کے بیوی بچوں کی خوراک کے بعد بچتی تھی اسی صورت میں ممکن تھا کہ کام کے دورانیہ کو بڑھا دیا جائے اور اس طرح مزدوروں کو اپنی محنت نہایت کم اجرت

پر فروخت کرنے کے لئے مجبور کر دیا گیا اتنی کم کہ اس سے زندہ رہنے کے لئے جو کم از کم ضروریات ہیں وہ بھی پوری نہیں ہو سکتی تھیں۔

ہندوستان میں کپڑے کی صنعت کو محصول کے ذریعہ تحفظ دینے کے لئے جو قدم اٹھایا گیا وہ بھی دوران جنگ اور جنگ کے بعد ذرائع آمدنی کو بڑھانے کی ضرورت کے تحت اٹھایا گیا تھا۔ تحفظ کی پالیسی نے ہندوستانی منڈیوں سے برطانیہ کے خاص مدمقابل جاپان کے اخراج میں برطانیہ کی بڑی مدد کی۔ مزید برآں ہندوستانی عوام میں بڑھتی ہوئی بے چینی نے جو سول نافرمانی کی تحریک کی شکل میں ظاہر ہوئی محصولات میں اضافہ کرا دیا۔ سوتی کپڑے کی درآمد ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۱ء کے دوران میں گھٹ کر ۵۷ فیصد رہ گئی جبکہ مصنوعات کی اندرونی پیداوار میں اضافہ ہوا۔

ہندوستانی سرمایہ داروں نے دونوں عالمی جنگوں اور ۱۹۳۰ء کی دہائی کی سرد بازاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستانی معیشت پر اپنے غلبہ کو نمایاں طور پر بڑھا لیا۔ صنعتکاری کے نئے شعبوں مثلاً چینی، سیمنٹ، روئی، کاغذ، کیمیاوی مادے، فولاد وغیرہ میں داخل ہونے سے یہ ممکن ہوا۔ ہندوستانی سرمایہ کا بڑی صنعتوں پر زیادہ سے زیادہ عمل دخل ہو گیا۔ لیکن برطانوی سرمایہ اب بھی ان صنعتوں میں اپنا کردار نمایاں طور پر ادا کر رہا تھا۔ گو ہندوستانی سرمایہ داروں کے طبقے نے اپنے غلبہ کو مستحکم کر لیا لیکن نوآبادیاتی استحصال ختم نہ ہوا۔ سرمایہ داروں کے طبقے کو قدر فاضل پر زیادہ سے زیادہ اور براہ راست تصرف کے ذریعہ اور سکہ کی قیمت میں ردوبدل، جبریہ قرضے اور فوجی اخراجات کے ہتھکنڈے اختیار کر کے تختہ مشق بنایا گیا۔ جدید صنعتوں کے ظہور سے ہندوستانی معیشت کی نوعیت میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ ہندوستان کی معیشت زرعی ہی رہی اور وہ مغرب کے لئے خام مال برابر برآمد کرتا رہا۔ آزادی سے ذرا قبل ہندوستانی معیشت بنیادی طور سے پسماندہ تھی اور اپنی ساخت کے اعتبار سے نوآبادیاتی تھی۔ اگر گرتی ہوئی زرعی پیداوار کا جائزہ لیا جائے جو برابر گرتی رہی اور بہت زیادہ گر گئی تو معلوم ہو گا کہ نوآبادیاتی تسلط ہندوستان میں پیداواری توانائی کو کم کرنے کا ذمہ دار تھا اور یہ حالت نہ صرف تسلط کے پہلے دور بلکہ آخری دور تک قائم رہی۔

ہندوستان میں جدید صنعتوں کی ترقی کے سلسلہ میں مختلف نتائج اخذ کرنے کے باوجود معتبر تاریخی اعداد و شمار واضح کرتے ہیں کہ نوآبادیاتی حکومت نے صنعتوں کے مرکز توجہ کو اندرونی منڈیوں کی بجائے بیرونی منڈیوں کی طرف پھیر دیا۔ اس شدید تبدیلی کو بیسویں صدی کے آغاز میں کسی حد تک درست کیا گیا لیکن

اسے بالکل ختم نہ کیا جا سکا۔ حکومت نے چند صنعتوں کو تحفظ دیا مثلاً لوہے اور فولاد کی صنعت کو ۱۹۲۴ء میں تحفظ دیا گیا' سوتی کپڑے کی صنعت کو ۱۹۲۷ء میں اور چینی کو ۱۹۳۲ء میں۔ یہ صحیح ہے کہ حکومت کی تحفظ کی پالیسی سے ہندوستان میں صنعتی ترقی کا آغاز ہوا۔ ڈی۔ آر۔ گیڈگل (D.R. Gadgil) جو ہندوستان کا ایک مشہور ماہر معاشیات ہے' لکھتا ہے۔ "ملک کی بہت سی جدید صنعتیں محصول کی دیواروں کے سایہ میں کامیاب ہوئی ہیں۔ لوہے اور فولاد کی صنعت کی ترقی کا انحصار مکمل طور پر اور طویل عرصہ تک تحفظ حاصل ہونے پر ہے۔ پرانی کامیاب صنعتوں کو مثلاً سوت کی مصنوعات کو جاپانیوں کے مقابلہ میں تحفظ حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنا پڑی اور وہ انہیں حاصل ہو گیا۔"[۴۹] لیکن اس میں صنعتی ترقی کے لئے مجموعی طور پر حکومت کی طرف سے کوئی منصوبہ بندی نہیں تھی اور آبادی کی اکثریت کیونکہ کم آمدنی والے طبقے پر مشتمل تھی لہٰذا اندرونی منڈیوں کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوئی اور تحفظ کی پالیسی نے بہت زیادہ فائدہ نہیں پہونچایا۔

مزید برآں نو آبادیاتی حکومت کی تحفظ کی پالیسی صنعتوں کے تمام شعبوں تک نہیں پہونچی۔ تحفظات کے دور میں بھی جدید صنعتوں کی ترقی امتیازی بنیاد پر قرضوں کے اجراء اور دیگر مالی اقدامات کی وجہ سے محدود رہی۔ نو آبادیاتی افسر شاہی قرضوں کے اجرا میں ہندوستانی سرمایہ داروں کے مقابلہ میں برطانوی سرمایہ داروں کو ترجیح دیتی تھی۔

لوہے اور فولاد کی صنعتوں کے علاوہ دوسری بڑی صنعتوں کو محصول سے تحفظ نہیں ملا تھا اور نہ ہی حکومت نے ہندوستان میں صنعتی ترقی کے لئے کوئی واضح پالیسی اختیار کی۔ حکومت کی مجموعی پالیسی میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی' سوائے اس کے کہ چند صنعتوں کو محصول سے تحفظ دے دیا گیا مثلاً معیشت کو تقویت پہونچانے کے لئے نو آبادیاتی حکومت نے خسارے کی سرمایہ کاری بھی نہیں کی۔ ۱۹۳۰ء کی دہائی کی سرد بازاری میں بھی کرنٹ اکاؤنٹ پر تجارتی توازن ہندوستان کے حق میں تھا۔

امتیازی بنیادوں پر تحفظ کی پالیسی حکومت نے ۱۹۲۰ء کی دہائی میں نیم دلی سے اختیار کی۔ تحفظ کے ساتھ ساتھ صنعتی ترقی کی حوصلہ افزائی کے لئے حکومت نے کوئی عام پالیسی اختیار نہیں کی اور نہ ہی صنعتی ترقی میں مدد دینے کے لئے حکومت نے کسی گرم جوشی کا اظہار کیا۔ اپنی مدد آپ کے نظریہ پر اور چھوٹی صنعتوں پر حکومت کو اب بھی بہت یقین تھا۔ مثلاً کپڑے کی صنعت کو جو محصول سے تحفظ دیا گیا وہ جنگ کے بعد حکومت کی آمدنی میں اضافے اور ہندوستانی منڈیوں کو جاپانی مصنوعات کے حملہ سے محفوظ کرنے کے لئے

تھا۔ سول نافرمانی کی تحریک نے بھی ہندوستان میں درآمدات کی مقدار کو کم کرنے میں حصہ لیا۔ زرعی پیداوار میں کمی اور دیہی آبادی میں آمدنی کی کمی نے اندرونی منڈیوں کی توسیع میں رکاوٹ ڈالی۔

ہندوستان میں نوآبادیاتی تسلط کا مجموعی اثر یہ تھا کہ سائنسی تحقیق اور فنی تبدیلی کو نظرانداز کر کے پیداواری قوتوں کو روک دیا گیا۔ نوآبادیاتی تسلط کی بقا کے لئے ضروری تھا کہ انسانی اور دیگر ذرائع کا ضیاع جاری رکھا جائے۔ اس عمل سے حکومت اور عوام کے درمیان سماجی فاصلہ بڑھا۔ نوآبادیاتی حاکموں نے فاضل آمدنی پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ جسے علاقائی توسیع اور برطانوی فرموں کو مالی امداد دینے پر خرچ کیا جاتا تھا۔ برطانیہ نے نہ صرف اپنی سوتی مصنوعات کو جو دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں مسابقت کے لائق نہیں رہی تھیں ہندوستان میں فروخت کیا بلکہ فرسودہ ٹیکنالوجی مثلاً میول اسپنڈلس (Mule Spindles) کے ڈھیر لگا دیئے۔

مزید برآں ۱۹۳۰ء کی دہائیوں میں ہندوستانی سرمایہ داروں نے محسوس کیا کہ صرف تحفظ سے انہیں فائدہ نہیں ہو گا لہٰذا انہوں نے بنیادی ڈھانچے اور بھاری صنعتوں میں حکومت کی طرف سے سرمایہ کاری کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے ۱۹۲۷ء میں اپنے طبقاتی مفاد کے حصول کے لئے فیڈریشن آف انڈین چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری قائم کی۔ انہوں نے زرعی اصلاحات کا بھی مطالبہ کیا جس سے انہیں توقع تھی کہ قوت خرید میں اضافہ ہو گا اور اس طرح بالآخر اندرونی منڈیوں میں توسیع ہو جائے گی۔ بعد میں انڈین نیشنل کانگریس نے ایک قومی منصوبہ بندی کمیٹی بھی قائم کی اور اس کا ایک ممبر معروف کاروباری پرشوتم داس ٹاکرداس تھا۔ معیشت میں حکومت کی مداخلت کے فوائد کے بارے میں کچھ شکوک کا اظہار کیا گیا اور سوچا گیا کہ مداخلت سے نجی پیش قدمی کو نقصان پہونچے گا لیکن ان خدشات کا اظہار چند لوگوں کی طرف سے کیا گیا جبکہ کاروباری افراد کی اکثریت اور کانگریس پارٹی کے رہنماؤں نے معیشت میں حکومت کے اہم کردار کو واضح طور پر سراہا۔

ہندوستان میں بیرونی سرمایہ پیداوار کے شعبہ میں سرمایہ کاری کی بجائے گردش میں زیادہ تھا۔ بیرونی سرمایہ کے داخلہ سے پیداوار میں صنعتی سرمایہ نہیں بڑھتا تھا جیسا کہ انیسویں صدی کے وسط میں امریکہ میں ہوا۔

نوآبادیاتی انتظامیہ ہندوستانیوں کے خلاف نسلی امتیاز برتنے کی بھی ہمت افزائی کرتی تھی جیسا کہ Habakkuk نے محسوس کیا "ہندوستان اور جاپان کا موازنہ یقیناً ایسا عمل ہے جس کی وضاحت ضروری ہے

کیونکہ ہندوستان کے پاس صنعتکاری کی بنیادی شرائط میں سے بہت سی شرائط موجود ہیں : تاجروں کا طبقہ' بینکنگ اور ذرائع آمدورفت کی آسانیاں' منڈیوں کے لئے خاصی مقدار میں پیداوار' اور شاید صنعتی شعبہ میں مقامی جرات مند افراد کے کردار کی خصوصیات کا فرق ہی جاپان کی فوقیت کا فیصلہ کن سبب بنا۔"[۵۰] صنعتی کاروبار میں ہندوستانیوں کی جرات مندی کو نو آبادیاتی افسران نے نظر انداز کیا۔ سرمایہ کی کمی نہ تھی کیونکہ ہندوستان ہی برطانیہ کو سرمایہ فراہم کرنے کا بڑا ذریعہ تھا بلکہ دوسری برطانوی نو آبادیوں میں بھی سرمایہ یہیں سے بھیجا جاتا تھا۔ تاہم جب جدید صنعتوں میں سرمایہ کاری کم فائدہ مند ہوئی تو سرمایہ بھی کم ہی دستیاب ہوتا تھا۔

## حوالہ جات


1. D. Kumar and M. Desai (ed.), *Cambridge Economic History of India*, Vol. 2, Cambridge University Press, London, 1983.
2. For detail see Irfan Habib, *The Agrarian System of Mughal India*, (Asia Publishing House, 1963).
3. R.C. Dutt, *The Economic History of India in Victorian Age*, London, 1904.
4. L.C.A. Knowles, *Economic Development of the British Overseas Empire*, London 1924, p.74.
5. R.C. Dutt, *Economic History of India*, Vol.2, New Delhi, 1960, p.268.
6. Kalim Siddiqui, 'Interpretation of Indian Economic History Under British Rule', *Verden og Vi*, 6, 1988.
7. R.C.Dutt, *Economic History of India*, Vol. 2, Delhi, 1960, pp.112.
8. K.Marx, 'The British Rule in India' *New York Daily Tribune*, 25th June, 1853.
9. G.Tucker, Memorials of the Indian Government, cited in R.C. Dutt, *Economic History of India*, Vol.2, p.262.
10. Kalim Siddiqui, 'Historical Roots of Mass Poverty in India' in C.A. Thayer et. al. *Trends and Strains*, Link Publishing House, New Delhi, 1990.

11. Kalim Siddiqui, 'Impact of Cononialism on South Asian Economics' *Klassekampen,* 14 and 15 March, 1989.

12. R.P. Dutt, *India Today*, London, 1947, p.119.

13. J. Kuczynski, 'Conditions of Workers' in V.B. Singh, (ed.) *Economic History of India 1857-1956,* Bombay, 1965.

14. Y.S. Pandit, *India's Balance of Indebtedness 1889-1913,* London, 1937.

15. R.P. Dutt, *India Today,* London, 1947, p.150

16. *Ibid.,* R.P. Dutt, p.151.

17. E.J. Hobsbawm, *Inudstry and Empire,* London, 1976, p.207.

18. Kalim Siddiqui, 'Does trade Help the People of the Third World'? *Bergens Tidende*, 12, December, 1988.

19. *Economist* (1937) February 13.

20. *CISD: Financial and Commercial Statistics of British India,* Government India 13th issue, Calcutta, 1907, pp.415-419.

21. G.K. Lieten, *Colonialism, Class and Nation*, Calcutta, 1983.

22. A.K. Bagchi, *Private Investment in India*, Orient and Longman, New Delhi, 1972, p.215.

23. *Ibid.,* G.K. Liten.

24. See *Capital* 19th March, 1908 and 20th June, 1912, Calcutta. Also see Wallace, *Romance of Jute.*

25. *CISD: Review of Trade of India for 1917-18,* Calcutta, 1918), p.21.

26. D. Narin, *The Impact of Price Movements on Areas Under Selected Crops in India, 1903-39*, London, 1965, pp.165-182.

27. Lord Dalhousie, Governor General, 1848-56, *Minut on Railways* (1853).

28. L.H. Jenk, *The Migration of British Capital,* New York, 1927, pp.227-228.

29. Daniel Thorner, 'Great Britain and the Development of Indian Railways', *Jornal of Economic History*, 4, 1951.

30. *Report of the Committee on the Administration and Working of the Indian Railways*, (Government of India, 1921).

31. Daniel Thorner, "The Pattern of Railway Development in India," *The Far Eastern Quarterly*, 2, February, 1955, pp.201-16.

32. F.R. Harris, *Jamsetji Nusserwanji Tata: A Chronicle of his life*, Bombay, 1958, p.204.

33. J.L. Keenan, *A Steel Man in India*, New York, 1943.

34. ITB Statutory Enquiry - 1926 - Steel Vol., Calcutta, 1927, p.127.

35. S.N. Haji, *State Aid to Indian Shipping*, Bombay, 1922, p.6.

36. ITB: Report of Cement, Calcutta, 1925.

37. Indian Finance Year-Book, Calcutta, 1936, p.283.

38. B. C. Burt, 1935, *Indian Sugar Industry*, p.934.

39. M. Simon, "Pattern of new British portfolio investment 1865-1914, printed in J.H. Adler (ed.), *Capital Movements and Economic Development*, London 1967, pp.33-66.

40. M. Kidren, *Foreign Investment in India*, London, 1965.

41. V. Anstey, *The Economic Development of India*, 1936, p.110.

42. G. Paish "Great Britain Capital Investment in Individual Coloney and Foreign Countries" *Journal of Royal Statistical Society*, Vol. lxx, part 2, January 1911, p.180.

43. Kalim Siddiqui, 1989, "Colonialism, Hungar and Backwardness in the Third World" *Materialisten*, nr.3.

44. *Ibid.*

45. S. Sarkar "Economic Conditions of a Village in North Bihar" *Indian Journal of Economics*, July 1939.

46. *Ibid.*, R. P. Dutt, 1947, p.220.

47. Th Royal Commission on Agriculture, 1928, p.33.

48. Cited in Tomlinson, *The Political Economy of the Raj*, p.120.

49. D.R. Gadgil, *The Industrial Evolution of India in Recent Times: 1860-1939*, Oxford University Press: Bombay, 1971, see also by the same author Economic Policy and Development, p.114.

50. Quoted in D.R. Gadgil, "Indian Economic Organization" In Simon Kuznets (ed.) Economic Growth — Brazil, India and Japan, 1955, pp.448-56.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سہ ماہی ادبیات اسلام آباد

اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد کا موقر سہ ماہی مجلّہ **ادبیات** جو خوبصورت کتابت و طباعت کے ساتھ نہایت کم قیمت میں پاکستانی ادب پر بجد معیاری تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی نگارشات پیش کرتا ہے۔

## بدلِ اشتراک

اندرونِ مُلک:

فی شمارہ: ۲۰ روپے

سالانہ: ۷۵ روپے

(بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)

بیرونِ ملک:

امریکہ، کینیڈا، یورپ، مشرقِ بعید

فی شمارہ: ۷ ڈالر (بذریعہ ہوائی ڈاک)

سالانہ چندہ: ۲۵ ڈالر ( " " )

مشرقِ وسطیٰ، بھارت، شمالی افریقہ

فی شمارہ: ۶ ڈالر (بذریعہ ہوائی ڈاک)

سالانہ چندہ: ۲۲ ڈالر ( " " )

اکادمی ادبیات پاکستان، سیکٹر ایچ - ایٹ / ون، اسلام آباد - فون ۲۵۴۵۶۸